تنازیہ جمال طارق

اتنی سی بات

"امی! میں زارا سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"
نبیلہ بیگم کے سر پر گویا چھت آگری تھی۔ وہ بے یقین نگاہوں سے اپنے سامنے بیٹھے جمشید کو دیکھنے لگیں۔ جس کے گندمی، سنجیدہ چہرے پر مذاق کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے نا؟" مؤدب لہجے میں وہ پوچھ رہا تھا۔

نبیلہ بیگم کیا جواب دیتیں، وہ تو حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ابھی تک آنکھوں میں بے یقینی لیے اپنے حد درجہ سعادت مند بیٹے کو دیکھ رہی تھیں۔ جو مزید کہہ رہا تھا۔

"امی! میں نے آپ کو صرف اپنی پسند بتائی ہے۔ باقی فیصلہ آپ جو بھی کریں گی مجھے بخوشی قبول ہوگا۔ میرے لیے آپ کی خوشی اور پسند ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔" وہ ان کے ہاتھوں پر دباؤ ڈالتا اٹھ گیا تھا۔

نبیلہ بیگم جیسے ہوش میں آگئیں۔ اسی وقت سلویٰ تیزی سے اندر آئی۔

"اے سلویٰ! کچھ سنا تم نے، جمشید کیا کہہ گیا ہے۔"

"جی امی! ابھی اپنے کانوں سے ہی تو سنا ہے۔" اس کا بھی شاید ماں کی طرح ابھی سکتہ ٹوٹا تھا۔

"شیر اور بکری ایک گھاٹ میں پانی پی لیتے یا نواز، عمران سارے اختلافات بھلا کر ایک دوسرے سے "سیاسی جپھیاں" ڈالتے، مجھے تب بھی اتنی حیرت نہ ہوتی، جتنا اس کے منہ سے یہ بات سن کر ہوئی ہے۔ ایسی خواہش کا اظہار ظفری کرتا تب بھی کوئی بات

مکمل ناول

نازیہ جمال طارق

اتنی سی بات

"امی! میں زارا سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

نبیلہ بیگم کے سر پر گویا چھت آگری تھی۔ وہ بے یقین نگاہوں سے اپنے سامنے بیٹھے جمشید کو دیکھنے لگیں۔ جس کے گندمی، سنجیدہ چہرے پر مذاق کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے نا؟" مؤدب لہجے میں وہ پوچھ رہا تھا۔

نبیلہ بیگم کیا جواب دیتیں، وہ تو حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ابھی تک آنکھوں میں بے یقینی لیے اپنے حد درجہ سعادت مند بیٹے کو دیکھ رہی تھیں۔ جو مزید کہہ رہا تھا۔

"امی! میں نے آپ کو صرف اپنی پسند بتائی ہے۔ باقی فیصلہ آپ جو بھی کریں گی مجھے بخوشی قبول ہوگا۔ میرے لیے آپ کی خوشی اور پسند ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔" وہ ان کے ہاتھوں پر دباؤ ڈالتا اٹھ گیا تھا۔

نبیلہ بیگم جیسے ہوش میں آگئیں۔ اسی وقت سلویٰ تیزی سے اندر آئی۔

"اے سلویٰ! کچھ سنا تم نے، جمشید کیا کہہ گیا ہے۔"

"جی امی! ابھی اپنے کانوں سے ہی تو سنا ہے۔" اس کا بھی شاید ماں کی طرح ابھی سکتہ ٹوٹا تھا۔

"شیر اور بکری ایک گھاٹ میں پانی پی لیتے یا نواز، عمران سارے اختلافات بھلا کر ایک دوسرے سے "سیاسی جپھیاں" ڈالتے، مجھے تب بھی اتنی حیرت نہ ہوتی، جتنا اس کے منہ سے یہ بات سن کر ہوئی ہے۔ ایسی خواہش کا اظہار ظفری کرتا تب بھی کوئی بات

مکمل ناول

تھی، لیکن میرا جمشید۔۔۔۔"

ان کا انداز ایسا تھا۔ "ہائے میں لٹ گئی۔"

"وہی تو امی! میں خود حیران ہوں یہ بیٹھے بٹھائے جمشید بھائی کو کیا ہو گیا ہے۔ ایک تو اپنے منہ سے شادی کا اظہار اور وہ بھی زارا سے؟"

"میرا تو دل بیٹھا جا رہا ہے، حمہ کو فون ملاؤ۔ وہی آکر کچھ حل نکالے گی، اس مسئلے کا۔" نبیلہ بیگم کو ہر قسم کی ہنگامی صورت حال میں اپنی بڑی بیٹی کا خیال ہی آتا تھا۔ جس کے نادر و نایاب مشوروں پر وہ آمنا و صدقنا عمل کرتی تھیں۔ سلویٰ نے وہیں بیٹھے بیٹھے ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھایا اور بڑی بہن کا نمبر ملانے لگی۔ دوسری طرف سے اس کی عجلت بھری آواز سنائی دی۔

"جی امی! خیریت؟"

"ارے حمہ! میری بچی، خیر، خیریت کو چھوڑ، تو بس یہاں پہنچ، بڑی ضروری بات کرنی ہے تجھ سے۔"

"امی ایسی بھی کیا ضروری بات ہے۔ آج لبنیٰ کو دیکھنے کچھ لوگ آ رہے ہیں۔ آپ جانتی ہیں ایسے موقع پر میرا وہاں ہونا کتنا ضروری ہے۔ آخر کو بڑی بہو ہوں۔" حمہ کے ٹھنک کے کہنے پر نبیلہ بیگم کا پارہ ہائی ہوا۔

"صبح صبح میرا منہ مت کھلوا حمہ! جیسے میں تو جانتی ہی نہیں ان لوگوں نے تمہیں بڑی بہو کے کس سنگھاسن پر بٹھا رکھا ہے۔"

"تو میں بھی کون سا ان کی شان و شوکت بڑھانے کے لیے وہاں بیٹھوں گی۔ آپ کو پتا تو ہے میری ساس، نندیں کتنی گھنی ہیں، جانے کیا کیا معاملات طے ہوں، مجھے ہوا تھوڑی لگنے دیں گی۔"

"اچھا، دفع کر ان کو۔ ابھی تو یہاں کی خیر، خبر لے۔ میرا تو دل بیٹھا جا رہا ہے۔"

معاملہ واقعی سنگین نوعیت کا تھا۔ حمہ نے اپنے آنے کی یقین دہانی کروا کر فون بند کر دیا۔

☼ ☼ ☼

"اچھا، تو یہ چکر ہے۔ میں تو ظفری کی طرف سے ایسا کوئی شوشا چھوڑے جانے کی منتظر تھی۔ یہ اپنے جمشید بھائی کو کیا ہوا؟" ساری بات سن کر حمہ نے بھی انگلیاں داب لیں منہ میں۔

"جمشید بھائی تو نظر اٹھا کر کسی کو نہیں دیکھتے۔ یقیناً اس زارا نے ہی کوئی چکر چلایا ہو گا۔" فی الفور پہلا خیال اس کے ذہن میں یہ ہی آیا۔

"وہ آدم بے زار زارا گھر آئے مہمانوں سے سلام دعا کرے، یہ بھی بہت ہے۔ نہ جانے کس دھیان گیان میں رہتی ہے۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے عجیب مافوق الفطرت قسم کی لڑکی ہے۔ نہ ہنستی بولتی ہے، نہ سجتی سنورتی ہے۔ لڑکیوں والی تو کوئی بات ہی نہیں اس میں۔ اس معاملے میں پیش رفت اس کی جانب سے ہوئی ہو گی، میں مان ہی نہیں سکتی۔" سلویٰ کی بات سے اتفاق تو حمہ اور نبیلہ بیگم کو بھی تھا۔

"ویسے امی! یہ بھی اچھا ہے جمشید بھائی نے ماموں کی زارا کا نام لیا ہے۔ اگر کسی ایسی ویسی کو پسند کر بیٹھتے تو میں اور آپ بھلا کیا کر لیتے۔ ویسے بھی برسر روزگار اور خود مختار ہیں۔" حمہ کی بات سیدھی ان کے دل کو جا لگی تھی۔ وہ ایسے ہی تو اس کی عقل مندی کی قائل نہیں تھیں۔

"تو اب کیا کہتی ہو رشتہ ڈالوں زارا کے لیے؟"

"ابا میاں سے تو بات کر لیں، ورنہ ہمیشہ کی طرح واویلا مچائیں گے کہ انہیں کسی قابل نہیں جانا۔"

"اے ہاں، ان سے بھی بات کر لیں گے۔" نبیلہ بیگم نے ناک پر سے مکھی اڑائی۔ ان کی سوچ کا پنچھی دور اڑان بھرتا جا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"باغیچے کی گھاس کتنی لمبی ہو گئی ہے۔ ساتھ والی نگہت خالہ کے مالی کو بلوا کر ترش والوں گی۔" اپنے ہرے بھرے باغیچے میں اُگے ننھے پھول پودوں کو پانی سے نہلاتے ہوئے اس نے فکر مند نگاہ گھاس پر ڈالی، جس پر پانی کی بوندیں موتیوں کی مانند چمک رہی تھیں۔ یہ باغیچہ اس کے لیے جنت کے کسی ٹکڑے سے کم

نہیں تھا۔ اس کے پھول، پتے، پودے، کلیوں سے اسے عشق تھا۔ اس کی بے کلی کو قرار اسی باغیچے میں آکر ملتا۔ کلی کلی منڈلاتا بھنورا نہ جانے کس سمت اڑ گیا تھا کہ اس کی نگاہوں میں سنہری تتلی آگئی۔ سفید پھولوں کے کنج پر رقص کرتی سنہری تتلی کو وہ محویت سے دیکھے گئی۔ اگلے لمحے اس کی سانس گویا رک سی گئی۔ اس نے بدقت تمام آنکھیں جھپکا کر سامنے کا منظر دیکھا۔ اس کا حلق تک خشک ہو گیا۔ اگلا لمحہ موت تھا۔ نہ جانے کب سے گھات لگائے بیٹھی چھپکلی نے سرعت سے سنہری رقص کرتی تتلی کو پکڑ کر اپنے حلق میں اتار لیا۔ مسکراتی رنگین زندگی لمحوں میں مٹ گئی تھی۔ وہ ششدر سی منہ پر ہاتھ رکھے وہاں سے اٹھ کر بھاگتی چلی گئی۔

مومنہ بھابھی اسی وقت کچن سے نکلی تھیں۔ انہیں اچانک یاد آگیا تھا کہ مصطفیٰ نے انہیں وائٹ شرٹ استری کرنے کو کہا تھا۔ وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھیں کہ حیرت سے منہ پر ہاتھ رکھے سسکیاں دباتی اپنے کمرے کی طرف جاتی زارا کو دیکھا۔

"زارا! سنو تو کیا ہوا؟" انہوں نے پریشانی سے اسے پکارا۔ لیکن وہ نکلتی چلی گئی۔

"سارے طاقت ور کمزوروں کے لیے اتنے ظالم کیوں ثابت ہوتے ہیں؟" بیڈ پر گری وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

☼ ☼ ☼

"مومنہ!" مصطفیٰ کی پکار دھاڑ سے مشابہ تھی۔ کپ میں چائے ڈالتی مومنہ کے ہاتھ کانپے۔ اس سے پہلے کہ وہ باہر لپکتی، مصطفیٰ خود ہی اس کے سر پر پہنچ گیا۔

"کہاں مر کھپ جاتی ہو۔ میں نے سفید شرٹ استری کرنے کے لیے کہا تھا، کی تم نے؟"

مومنہ کے اوسان خطا ہونے لگے۔ وہ شرٹ استری کرنے ہی تو جا رہی تھی، جب روتی ہوئی زارا کو دیکھا تو اس کا دھیان بٹ گیا تھا۔ اس نے خشک حلق تر کیا۔

"میں وہ ابھی کر دیتی ہوں، آپ کی چائے۔"

"بھاڑ میں گئی چائے۔" اس کے ہاتھ سے کپ لے کر مصطفیٰ نے اتنی زور سے سلیب پر پٹخا کہ چائے چھلک کر اس کے پیروں پر آگری۔ درد کی شدت سے اس نے فوراً پاؤں پیچھے ہٹایا۔

"عجیب مخبوط الحواس عورت پلے پڑی ہے میرے۔ بات سنو، اگر یہاں ہوش و حواس کے ساتھ رہنا ہے تو ٹھیک، ورنہ چلتی پھرتی نظر آؤ۔" اس کے جھکے سر کو انگلی سے بجاتا وہ نخوت سے کہتا باہر نکل گیا۔

"کیا ہوا بیٹا؟ کیوں چلا رہا تھا مصطفیٰ؟" منیزہ بیگم نے یقیناً من و عن سن لیا تھا، لیکن وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے نرمی سے پوچھ رہی تھیں۔ مومنہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"پاؤں دکھاؤ، زیادہ جلا تو نہیں؟" کہتے ہوئے انہوں نے اسے پکڑ کر اسٹول پر بٹھایا اور برنال لے کر اس کے پاؤں کے جلے حصے پر لگانے لگیں۔

مومنہ نے آنکھیں سختی سے میچ لیں۔ "آئی ایم سوری بیٹا۔" منیزہ بیگم کا لہجہ شرمندگی لیے ہوئے تھا۔ ایسے بیٹے کی ماں ہونے پر وہ واقعی شرمندہ تھیں۔

"غلطی میری ہے امی! جب انہوں نے شرٹ استری کرنے کے لیے کہا تھا تو مجھے اسی وقت کر کے رکھ دینا چاہیے تھی۔"

"تم بھلے سے شرٹ اسی وقت استری کر کے رکھ دیتیں، لیکن وہ پھر بھی کسی نہ کسی بات کو ایشو بنا کر یہ ہنگامہ ضرور کھڑا کرتا۔ اس لیے خود کو قصوروار سمجھنا چھوڑ دو۔"

مومنہ نے آنسو صاف کرتے ہوئے اس شفیق عورت کا چہرہ دیکھا۔ اگر اس کی اپنی ماں حیات ہوتیں تو وہ یقیناً ایسی ہی ہوتیں۔

"اچھا چلو، جا کر اب آرام کرو، کھانا بنانے میں ابھی بہت وقت ہے، زارا بنا لے گی۔"

باہر مشہود صاحب کے قدموں کی مخصوص چاپ ابھری تھی۔ دونوں ساس، بہو ایک دم الرٹ ہو گئیں۔

السلام علیکم

ہمیں اپنے بلاگز (ویب سائیٹ) FAMOUS URDU NOVELS, BOOKS BANK

PRIME URDU NOVELS, FREE URDU DIGEST, READING CORNER

کے لئے ناول رائیٹرز کی ضرورت ہے۔ اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم،

آرٹیکل، شاعری پوسٹ کروانا چاہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔

آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر پوسٹ کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے انباکس میں رابطہ

کریں یا ای میل کریں یا ہمارے گروپ اور پیج پر رابطہ کر سکتے ہیں۔ یا واٹس ایپ پر بھی کانٹیکٹ کر سکتے ہیں۔

Wats app No :- 03335586927

Email address :- aatish2kx@gmail.com

Facebook ID :- www.facebook.com/aatish2k11

Facebook Group :- FAMOUS URDU NOVELS AND DIGEST

SEARCH AND REQUEST FOR NOVELS, NOVELS DISCUESSION

"یہاں راز و نیاز کی کون سی کھچڑی پکائی جارہی ہے؟ اتنا احساس نہیں ہے کہ گھر آئے شوہر کو چائے پانی کا ہی پوچھ لیا جائے۔" کرخت لہجے میں بولتے وہ کچن کے کھلے دروازے میں آن کھڑے ہوئے تھے۔

"نہیں وہ بس ابھی لا ہی رہی تھی۔" منیزہ بیگم گھگھیائیں۔

"مجھے تو چائے پانی کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے؟" طنزیہ نگاہیں یہاں وہاں دوڑائیں، منیزہ بیگم کہہ نہ سکیں کہ ابھی تو آپ کچن کے سامنے سے گزر کر اپنے کمرے تک بھی نہیں گئے، پھر چائے پانی کیسے آپ کی خدمت میں پیش کرتیں۔

"صاحب زادی کہاں ہیں آپ کی؟ اس سے کہو اس جھاڑ جھنکاڑ اور گلہریوں، تتلیوں سے راز و نیاز کرنے سے فرصت مل جائے تو تھوڑا وقت گھرداری کو بھی دے دیا کرے۔ ورنہ وہ بھی ماں کی طرح پھوہڑپن کے مظاہرے کرکے کسی شریف النفس کا جینا اجیرن کرے گی۔" قہر بھر نظری ان پر ڈالتے وہ باہر نکل گئے تو منیزہ بیگم کرسی پر ڈھے سی گئیں۔

"ہر بار سوچتی ہوں مشہود صاحب کو ایسا کوئی موقع نہیں دوں گی، لیکن پھر بھی چوک ہو جاتی ہے۔"

"چوک آپ سے نہیں ہوتی امی! ابا خود ہی کوئی نہ کوئی ایسا موقع ڈھونڈ نکالتے ہیں۔"

چائے کا پانی چڑھاتے ہوئے مومنہ بولی۔ ان دونوں کا دکھ ایک سا تھا۔ ان کی بد قسمتی تھی وہ ایسے مردوں کے زیر دست آئی تھیں جو عورت کو پاؤں کی جوتی سے زیادہ اہمیت دینے کے قائل نہیں تھے۔

"آپ ان کے لیے چائے لے جائیں جب تک میں زارا کو دیکھ آؤں۔"

ٹرے ان کے ہاتھ میں تھما کر مومنہ باہر نکلی۔ اپنے کمرے میں لفظ لفظ سنتی زارا نے تلخی سے اپنا چہرہ تکیے میں چھپالیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"میں سوچ رہی ہوں کل مشہود بھائی کے گھر جاکر تمہارے اور زارا کے رشتے کی بات کر آؤں۔"

نبیلہ بیگم کی بات سن کر جمشید کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔ "امی آپ دل سے تو راضی ہیں نا اس رشتے پر؟" گو کہ اپنی خواہش سے دستبرداری بہت مشکل تھی، لیکن وہ ماں کی دل آزاری بھی نہیں چاہتا تھا۔

"ہاں بیٹا! میرے لیے تمہاری خوشی ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔" نبیلہ بیگم اپنے حد درجہ سعادت مند بیٹے کے دل میں کوئی گرہ نہیں ڈالنا چاہتی تھیں۔ اگر ان کے دل میں کوئی پھانس تھی بھی تو انہوں نے ظاہر نہیں کیا۔ جمشید کو مطمئن کرنا ضروری تھا۔ باقی سب وہ خود اچھے سے سنبھال لیتیں۔

"ہائی داوے بھائی! آپ کو اس پتھر کی مورت میں ایسا کیا نظر آیا آخر؟" چائے کا کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے سلویٰ نے شرارت سے پوچھا۔

"تمہیں کوئی اعتراض ہے تو بتادو چھٹکی؟"

"ارے نابابانہ، ہمیں دو پیار کرنے والے دلوں کے بیچ ظالم سماج بن کر روڑے نہیں اٹکانے۔" وہ ہنستے ہوئے ہاتھ اٹھاکر شرارت سے کہہ رہی تھی۔ لیکن جمشید نے سنجیدگی سے ٹوک دیا۔

"سنو یہ پیار، محبت والا کوئی سین نہیں ہے، غلط بات مت کرو۔" اس کی سنجیدگی پر سلوی لحہ بھر کو چپ سی رہ گئی۔

"ارے یہ میں کیا سن رہا ہوں۔ اتنی بڑی خبر اور ایک میں بے چارہ ہی بے خبر۔" ظفری تیزی سے سیڑھیاں اتر تا لاؤنج میں آیا تھا۔

"لو شروع ہو گئی اب اس کی نوٹنکی۔" نبیلہ بیگم نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"نوٹنکی کہاں کی امی حضور۔ اندر ابا میاں کی حالت بھی مجھ سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔ بالا ہی بالا سارے معاملات طے کرلیے ہم باپ، بیٹا کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہونے دی۔ کیا یہ کھلا تضاد نہیں؟"

"اے میاں میرا منہ مت کھلواؤ۔ کہاں کے

معاملات کیسے معاملات، ہم ان کے گھر رشتہ ڈال آئے، ادھر سے ہاں ہو گئی، خاندان بھر میں لڈو بٹ گئے اور شادی کی تاریخ بھی طے ہو گئی ہے اور تیرے ابا میاں کی تو جاکر میں ابھی خبر لیتی ہوں۔ دھان پان سے ہیں اپنی صحت دیکھی نہیں اور لگتے ہیں بات بات پر غصے سے ہچکولے کھانے۔"

نبیلہ بیگم تو جلال میں آگئیں۔ ظفری سر پر ہاتھ مار کر رہ گیا۔ سلویٰ نے "لو اب بھگتو" کا اشارہ کیا اور وہاں سے اٹھ گئی۔ ارادہ چھت پر جاکر سوکھے کپڑے اتارنے کا تھا۔ ادھر ریلنگ سے ٹیک لگائے غیور شاید اسی کا منتظر تھا۔ دونوں گھروں کی چھتیں ملی ہوئی تھیں۔ سلوی پر نظر پڑتے ہی وہ سیدھا ہوا۔

"نکمی لڑکی کہاں گم تھیں اب تک۔ کپڑے بے چارے تمہارے انتظار میں سوکھ سوکھ کر کانٹا ہو گئے۔"

"کپڑے یا تم؟" سلویٰ نے مسکراہٹ دبائی۔

"میں یار۔" اس کے بے چارگی سے کہنے پر وہ ہنس دی۔

"اچھا سنو، مجھے تمہارے گھر سے کسی غیر معمولی پن مطلب افراتفری کی خوشبو آرہی ہے۔"

"تو تمہیں کس نے کہا ہے ہمارے گھر کی خوشبوئیں سونگھتے پھرو۔"

"حد ادب، لڑکی میں تمہارا ہونے والا نصف بہتر ہوں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تم بنا کسی بحث کے مجھے بتادو اصل معاملہ کیا ہے؟"

سلویٰ کو اس کی ماں کی طرح ٹوہ لینے والی عادت سخت بری لگتی تھی۔ "کل ہم جمشید بھائی کے لیے زارا کا ہاتھ مانگنے جائیں گے۔"

"کیا اس مصری شہزادی کا ہاتھ اور وہ بھی اپنے جمشید بھائی کے لیے؟" غیور ایک دم چونکا۔

"ہاں وہی، لیکن خدارا تم یہ بات ابھی پھپھو کو مت بتانا، کیونکہ امی کا فی الحال اس بات کو صیغہ راز میں رکھنے کا ارادہ ہے۔" کپڑوں کا گٹھڑ سینے سے لگائے آخر میں وہ "تنبیہا" بولی۔

غیور فوراً" برا مان گیا۔ "تو تمہارا کیا مطلب ہے۔ میری اماں سارے میں اس بات کا ڈھنڈورا پیٹ دیں گی؟"

"ہاں، کچھ بعید نہیں۔" وہ صاف گوئی سے کہتی سیڑھیاں اترنے لگی۔ جبکہ غیور کے تصور کے پردے پر چھم سے زارا کا سراپا آگیا۔ یہ اپنا جمشید لالہ اور وہ مصر کی حور، قسمت بھی کبھی کیسے کیسے جوڑ توڑ کر جاتی ہے۔ اس کے ماتھے پر شکنیں سی ابھرتی جارہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

عرصے بعد نند کی دونوں بیٹیوں سمیت آمد منیزہ بیگم کو حیران کر گئی اور ان کی آمد کا مقصد جان کر تو انہوں نے بے ساختہ مومنہ کی طرف دیکھا۔

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول
دستِ کوزہ گر
فوزیہ یاسمین

قیمت -/750 روپے
32735021

"زارا کے لیے جمشید کا رشتہ؟"

"میرا جمشید لاکھوں میں ایک ہے۔ اس کے لیے لڑکیوں کی کمی نہیں' لیکن زارا اپنی بچی ہے۔ دکھ سکھ میں ساتھ تو دے گی۔ غیروں کا کیا بھروسا' کل کو میرے بیٹے کو قابو کرکے ہمیں ہی ہاتھ سے پکڑ کر باہر چلتا کردے۔ زارا اپنا خون ہے۔ کچھ تو احساس کرہی لے گی ہمارا۔" اس وقت لاؤنج میں صرف نبیلہ بیگم کی آواز گونج رہی تھیں۔

منیزہ بیگم اور مومنہ کی کیا مجال کوئی جواب دیتیں۔ سامنے ہی صوفے پر مشہود صاحب اور مصطفیٰ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے بیٹھے تھے۔ جو بھی بولنا تھا انہوں نے ہی بولنا تھا۔

یہ مشہود صاحب کی شخصیت کا رعب ہی تھا کہ سلویٰ اور حمدہ بھی دم سادھے بیٹھی تھیں۔ انہیں ماموں کے گھر کا ماحول شروع سے ہی ناپسند تھا۔ عجیب گھٹا گھٹا سا۔

"بھائی صاحب ساتھ نہیں آئے؟" مشہود نے بہنوئی کی بابت دریافت کیا۔

"ان کو دمے کے مرض نے کہیں آنے جانے کے قابل چھوڑا ہی کہاں ہے۔ کسی طرح آبھی جاتے تو واپسی پر انہیں اسٹریچر پر بٹھائے ہمیں اسپتال کی دوڑ ہی لگانی پڑتی۔"

مشہود صاحب نے ہنکارا بھرا۔ "ٹھیک ہے آپا بیگم! جمشید بھی اپنا ہی بچہ ہے۔ ہم چند روز میں سوچ کر آپ کو جواب دے دیں گے۔" وہی رعونت بھرا بے نیاز لہجہ۔

"کیسی غیروں جیسی باتیں کرتے ہیں مشہود بھائی! بھلا اپنوں میں کیسی سوچ بچار۔ ویسے آپ نے جو سوچنا ہے سوچ لیں جواب تو میں نے ہاں میں ہی لینا ہے۔"

وہ بہنوں والے مان سے بول رہی تھیں۔ گو کہ ایسا کوئی حق انہیں بھی دیا نہیں گیا تھا۔ بہن تھیں تو کیا ہوا' تھیں تو ایک عورت وہی پاؤں کی جوتی۔

☆ ☆ ☆

"کیا کہا آپ نے؟" زارا بدکی۔

"تمہاری اور جمشید کی شادی کی بات ہو رہی ہے۔ تمہیں خوشی نہیں ہوئی سن کر؟" مومنہ نے ایک دم خوف سے سفید پڑتا اس کا چہرہ دیکھا۔

"ویسی ہی شادی جیسے ابا اور امی کی ہوئی تھی؟ جیسے آپ کی اور مصطفیٰ بھائی کی ہوئی؟" اس نے وحشت زدہ سی آنکھیں اٹھا کر مومنہ کو دیکھا۔ جو دھیم لہجے میں بول رہی تھی۔

"سب ایک جیسے ہوں یہ لازمی تو نہیں زارا۔ جمشید بہت سلجھا ہوا ہے۔" اس کے ہاتھ کی پشت نرمی سے سہلاتی وہ سمجھاتے ہوئے بول رہی تھی۔ زارا نے درشتی سے اس کا ہاتھ جھٹکا۔

"مجھے شادی نہیں کرنی' کسی سے بھی نہیں' کبھی نہیں۔"

"ایسا مت کہو زارا۔ مجھے ویسے ہی خدشہ ہے' کہیں ابا کسی بات کو جواز بنا کر اس رشتے سے انکار نہ کردیں۔ جمشید جیسے مرد قسمت والوں کو ہی ملا کرتے ہیں۔" مومنہ کو وہ چھوٹی بہن کی طرح عزیز تھی۔ محبت سے اس کا رخسار تھپتھپاتی وہ بہت نرمی سے اسے سمجھا رہی تھی۔

"خدا کے لیے بھابھی! چپ ہوجائیں۔" وہ کانوں پر ہاتھ رکھے چیخ اٹھی۔ "امی سے جاکر کہہ دیں مجھے نہیں کرنی شادی' انکار کردیں' پھپھو کو۔"

"وہ بہت مجبور ہیں زارا انہیں مزید آزمائش میں مت ڈالو۔" مومنہ کے لہجے میں بے بسی سی در آئی۔

"آپ' امی' میں ہم سب مجبور ہیں تو خدا کرے' ابا خود ہی اس رشتے سے انکار کردیں۔ یا پھر۔"

مومنہ نے اسے مزید بولنے سے روک دیا اور گلے سے لگا کر آہستہ آہستہ اس کی پشت تھپکنے لگی۔ اس کا جسم کسی کمزور شاخ کی مانند لرز رہا تھا۔

"شادی یعنی موت۔"

☆ ☆ ☆

اسے اپنی خوش قسمتی پر آج سے پہلے اتنا رشک کبھی نہیں آیا تھا۔ اس نے چاند کو چھونے کی تمنا کی تھی اور قسمت نے اسے اس کے پہلو میں لانے کی راہ ہموار کردی تھی۔ ابھی ابھی تو نبیلہ بیگم اسے مژدہ سنا گئی تھیں۔ مشہود ماموں نے رشتے کے لیے رضامندی دے دی تھی۔ اپنے آفس میں ریوالونگ چیئر پر آنکھیں موندے جھولتا وہ پوری طرح اس خوشی کو محسوس کررہا تھا۔ بند آنکھوں کے پیچھے زارا کا سراپا آباد ہوگیا۔

وہ سنہری کانچ کی گڑیا جیسے کوئی پتھر کی مورت ہو۔ مسکراہٹ کبھی راستہ بھول کر بھی اس کے ہونٹوں پر نہیں بھٹکی تھی۔ اس کی سنہری آنکھوں میں اداسی کا ایک جہاں سا آباد تھا۔ ایسا جہاں جس میں بربادی ہی بربادی تھی۔ جمشید کو وہ کسی مقدس راز کی طرح پاکیزہ لگتی تھی۔

"تم میرے دل کی اولین خوشی ہو زارا۔ جس دن تمہاری ان سنہری آنکھوں کے کانچ میں میری محبت کا عکس چمکے گا اس دن میری ذات کی تکمیل ہوگی۔ میں اپنی محبت سے تمہیں مسکرانا سکھاؤں گا اداس لڑکی۔" بند آنکھوں کے پار محبت کا جہاں سا آباد ہو رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

ابا میاں کے کمرے میں اس وقت سب نے اودھم مچا رکھا تھا۔ حمدہ' اس کی بچیاں' سلویٰ' ظفری اور پاٹ دار آواز میں بولتی نبیلہ بیگم۔ موضوع گفتگو جمشید کی شادی ہی تھا۔ ابا میاں کا مزاج آج بھی سوا نیزے پر ہی تھا۔ درحقیقت انہیں اس بات کا غصہ تھا کہ اس سارے معاملے میں ان سے مشورہ تو درکنار رائے لینا بھی ضروری نہیں سمجھا گیا۔

نبیلہ بیگم نے اس بار بھی اپنی سی کی۔ حمدہ کا رشتہ بھی انہوں نے اپنی ایما پر طے کیا تھا۔ بقول ان کے اقبال احمد کو بھلا ایسی نزاکتوں کا کیا احساس۔ غیور گو کہ اقبال احمد کا ہی بھانجا تھا۔ لیکن جب ثروت نے غیور کے لیے سلویٰ کا ہاتھ مانگا تو اقبال احمد جو رسمی سا سوچنے کے لیے وقت مانگنا چاہتے تھے' نبیلہ بیگم نے ٹھونک بجا کر اسی وقت رشتے کے لیے رضامندی دے دی۔ اقبال احمد اپنا سامنہ لے کر رہ گئے۔

اور اب جمشید کی دفعہ بھی انہوں نے سارے معاملات بالا ہی بالا طے کرلیے۔ گو کہ اقبال احمد بیوی کی دھونس بھری طبیعت سے سمجھوتا کرچکے تھے' لیکن گھر میں تیسرے درجے کے شہری کا سلوک انہیں چراغ پا کرجاتا۔

"کیوں' سارے کے سارے میرے اوپر چڑھے آرہے ہو' مارو گے کیا مجھے؟ ہاں مار ہی ڈالو' خس کم جہاں پاک۔" وہ اتنی زور سے دھاڑے کہ کھانسی کا پھندہ سا لگ گیا۔

"کیوں حلق پھاڑ رہے ہیں' پتا تو ہے اتنا سا چلانے سے بھی آپ کی ہڈیاں پسلیاں ایک برابر ہوجاتی ہیں۔ چلو بھئی بچو' باہر جاکر ہلا گلا کرو۔ یہاں تمہارے ابا میاں کا دم گھٹ رہا ہے۔" نبیلہ بیگم نے سب کو باہر ہانکا اور خود ابا میاں پر گہری سخت نظر ڈالتی زوردار ٹھاہ سے دروازہ بند کرکے باہر آگئیں۔ ابا میاں ایک بار پھر پیچ و تاب کھا کر رہ گئے۔

ظفری لاؤنج میں ہی فل والیوم میں گانے لگا کر بھانجیوں کو ساتھ لگائے ڈانس پریکٹس کرنے لگا۔

"اے لو' ذرا دیکھو تو ہمارے تو اپنے بچے ہی کافی ہیں رونق لگانے کے لیے۔ میں تو کہتی ہوں خاندان' برادری کو بلا کر نرا خون ہی جلانا ہے اپنا۔" نبیلہ بیگم نے ہنس کر حمدہ کو دیکھا جو ان کا بازو دبوچ کر کمرے میں لے گئی۔

"اوہ امی! ادھر آئیں آپ۔" اس کے تاثرات سے نبیلہ بیگم نے اندازہ لگالیا' کوئی سیریس بات ہے۔ سلویٰ بھی وہیں آکر ٹک گئی۔

"یہ ہلا گلا صرف تین دنوں کے لیے ہونا ہے امی۔ پھر سب اپنی زندگی میں مگن ہوجاتے ہیں۔ اس کے بعد کیا ہوگا' کچھ سوچا آپ نے؟"

"اے حمدہ! مجھ سے یوں تھما پھرا کر بات مت کیا کرو۔ پہلے ہی دماغ پکا ہوا پڑا ہے میرا۔"

حمدہ نے گہری سانس بھری۔ "صاف اور سیدھی بات ہے امی، آپ کے گھر کا سارا انحصار جمشید بھائی کے بزنس پر ہے۔ اس کی پسند کی بیوی تو لا رہی ہیں، لیکن آپ شاید یہ بھول گئیں من پسند بیوی اکثر بہت بُری بہو ثابت ہوتی ہے۔ جمشید بھائی کے دل پر تو زارا پہلے سے ہی چڑھی ہوئی ہے، کل کلاں کو اس نے انہیں ہمارے خلاف کوئی الٹی سیدھی پٹی پڑھا دی تو آپ تو ہاتھ ہی ملتی رہ جائیں گی۔"

حمدہ کا انداز ایسا تھا کہ نبیلہ بیگم شدید عدم تحفظ کا شکار ہونے لگیں۔ یہ تو انہوں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ کماؤ پوت بیٹا ہاتھ سے نکل گیا تو راجدھانی تو گئی ہی گئی۔ انہوں نے سخت پریشان نظروں سے حمدہ کو دیکھا جو مزید کہہ رہی تھی۔

"آپ نے جمشید بھائی کی مرضی پوری کردی۔ اب آگے اس کی مت چلنے دیجئے گا۔ شروع دن سے ہی اس پر کنٹرول رکھیں گی تو سب کچھ آپ کے قابو میں ہی رہے گا۔"

"اے پر میں کروں گی کیا؟"

"او میری بھولی ماں! آپ زارا کو جمشید بھائی کے زیادہ قریب مت ہونے دیجئے گا۔ جتنا ان کے درمیان فاصلہ رہے گا، اتنا ہی آپ کا فائدہ ہے۔ کچھ سمجھیں میری بات؟"

"خاک سمجھی، میاں بیوی میں بھلا کیسا فاصلہ۔ دیکھ حمدہ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔"

"اچھا سنیں، میں آپ کو بتاتی ہوں۔" نبیلہ بیگم ہمہ تن گوش ہوگئیں۔

☆ ☆ ☆

اس کا دل چاہ رہا تھا اپنے ہرے بھرے باغیچے کے سارے پھول توڑ کر مسل ڈالے، پتیاں نوچے اور کلیوں کو پیروں تلے روند ڈالے۔ ہوا ساکن تھی۔ وہ جامن کے پیڑ کے تنے سے ٹیک لگائے بے آواز رو رہی تھی۔

"تو اب میری یہ جنت بھی مجھ سے چھن جائے گی۔" ایک ادھ کھائی جامن اس کی گود میں آگری تھی۔ پتوں میں چھپی گلہری نے ایک چور نظر اس کے جھکے سر پر ڈالی۔ اسے اداس اور ملول دیکھ کر امرود کے پتوں میں چھپی بھوری چڑیوں نے دم سادھ لیا تھا۔ پتے ساکت، پھول سر نیہوڑائے کھڑے تھے۔ تتلیوں نے اپنے خوشنما پر سمیٹ لیے تھے۔ ان کی ہم دم، ان کی ہمراز، ان کی شہزادی اداس تھی، تو وہ کیونکر خوش ہوپاتے؟

"زارا! اٹھو یہاں سے، تمہیں امی بلا رہی ہیں۔" مومنہ نے آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ وہ بنا کسی حجت کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

منیزہ بیگم نے اس کا پریشان چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں تھام لیا۔ "زارا کیوں کر رہی ہو ایسا میرے بچے؟"

وہ سسکنے لگی تھی۔ "میرے ساتھ ایسا مت کریں امی پلیز۔"

"کیا تمہیں نہیں لگتا اللہ نے ہماری کسی نیکی کے عوض جمشید جیسا پروپوزل بھیج دیا ہے۔ ورنہ اس خیال نے میری راتوں کی نیند چھین لی تھی کہ کہیں کسی روز تمہارے ابا اپنے ہی جیسے کسی بے حس کے کھونٹے سے تمہیں باندھ آئیں گے۔ تمہیں یہاں کون سا سکھ، کون سا مقام ملا ہے؟ خدا تمہیں نوازنے جارہا ہے تو تم کیوں کفران نعمت کی مرتکب ہونا چاہتی ہو؟

اسے دیکھا ہے، جس کی قسمت نے اسے یہاں لا پٹخا ہے۔ مصطفیٰ جب جب اس کے ساتھ ناروا سلوک کرتا ہے، تب تب میں اس سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہتی۔ تم نے مردوں کے روپ میں صرف باپ اور بھائی کی جارحیت دیکھی ہے، لیکن دنیا صرف ان ہی پر ختم نہیں ہوجاتی۔" وہ دھیرے دھیرے اسے پرسکون کر رہی تھیں۔ وہ پرسکون نہیں ہوئی، لیکن اندر کا ہیجان قدرے مدھم پڑ گیا۔

"اماں! میرے اندر آپ دونوں جتنا حوصلہ نہیں ہے۔ بالکل بھی نہیں۔" وہ گھٹ گھٹ کر رونے لگی تھی۔

"مت سوچو ایسا، میرے بچے کچھ مت سوچو، سب اس پر چھوڑ دو۔ وہ ہے نا ہمارا نگہبان، وہ سب سنبھال لے گا۔"

منیزہ بیگم نے دائیں بائیں بازو پھیلا کر دونوں کو اپنی بانہوں میں بھر لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس کا بچپن سے ایک ہی خواب تھا، خوب پڑھ لکھ کر کسی اچھی سی پوسٹ پر ملازمت کرنا۔ وہ بی ایس سی فائنل ایر میں تھا، جب ابا میاں کو ہارٹ اٹیک ہوا۔ گو کہ معمولی سا اٹیک تھا، لیکن دھان پان سے ابا میاں بالکل ڈھے گئے۔ ان کی الیکٹرونک کی چھوٹی سی دکان تھی۔ ان کا واحد ذریعہ معاش گھر کے تمام خرچے اسی الیکٹرونک کی دکان سے ہونے والی آمدنی سے چلتے۔

ابا میاں کی طبیعت اور گری صحت انہیں دکان پر جانے کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔ سلویٰ اور ظفر کم عمر تھے، ان کے کندھوں پر صرف پڑھائی کا بوجھ تھا۔ حمدہ کی شادی کی عمر ہو چلی تھی۔ گھر کے اخراجات، ابا میاں کا علاج، ماں کا متفکر چہرہ۔ جمشید کے سامنے ڈھیر سارے سوالیہ نشان آکھڑے ہوئے تھے۔ اس نے سامنے کھلی ہوئی کتاب بند کردی۔ اس کا پڑھائی سے دل اچاٹ ہوگیا تھا۔ وہ پوری رات سو نہیں پایا۔

"تو اگر یہ قربانی میرے حصے میں آنی ہے تو یوں ہی سہی۔" اگلے روز اس نے ابا میاں کی دکان سنبھالنے کا فیصلہ سب کو سنا دیا۔

ماں، بہنوں کے چہروں پر پھیلتا سکون اسے اندر تک پُرسکون کر گیا۔ قسمت نے یاوری کی یا پھر خدا کو اس کی نیکی بھا گئی، اس کے دکان سنبھالتے ہی کاروبار ترقی کرنے لگا۔ وہ چھوٹی سی دکان اس کی محنت اور لگن کے پھل بوتے بڑے شو روم میں بدل گئی۔ مشہور موبائل کمپنیوں، ایل ای ڈی، ایل سی ڈی کمپنیوں کے مالکان سے اس کے معاہدے طے پانے لگے۔ بزنس کی دنیا میں اس کی ایک پہچان سی بن گئی۔

گو کہ ابا میاں کی طبیعت سنبھل گئی تھی، لیکن نہ جانے کیسا خوف ان کے اندر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا کہ اگر وہ دکان پر جانا شروع کردیں گے تو وہ کہیں پھر سے شو روم سے چھوٹی دکان میں نہ بدل جائے۔ جمشید کی سعادت مندی نے انہیں بے فکر کردیا تھا۔ حمدہ کی شادی خوب دھوم دھام سے طے پا گئی۔ گھر میں بھی خاطر خواہ تبدیلیاں کی گئیں۔ ماربل کا چمکتا فرش، قیمتی قالین، دبیز پردے، نفیس گل دان، بہترین کراکری۔ وہ نئے نئے امیر ہوئے تھے، سو سب کے ٹھاٹھ دیکھنے لائق تھے۔

ظفر من موجی ٹائپ تھا۔ پڑھائی کے علاوہ دوست، پارٹیاں، شغل میلے ہی اس کی زندگی کا حصہ تھے۔

نبیلہ بیگم کی خواہش تھی وہ بھی جمشید کے ساتھ بزنس میں ہاتھ بٹائے۔ دل کے اندر کہیں یہ خیال بھی تھا کہ ایک بیٹے کے کاروبار سنبھالنے سے یہ کایا پلٹ ہوئی، دوسرا بھی ساتھ لگ جائے تو گویا ہُن برسنے لگ جائے گا۔ لیکن ظفری ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیتا۔ جمشید کا ہاتھ ان کے سر پر تھا، انہیں بھلا زمانے کے سرد و گرم کی کیا فکر۔

☆ ☆ ☆

"بہت خوب بھابھی بیگم! یہ کیا بات طے کرنے کے بعد غیروں کی طرح مٹھائی بھجوا دی۔ میری کون سی بیٹیوں کی لائن لگی کھڑی تھی۔ اک واک بیٹا ہے، وہ بھی آپ کی فرزندی میں دے دیا، لیکن آپ نے تو سارے معاملات یوں طے کیے کہ ہمیں کانوں کان خبر بھی نہیں ہونے دی۔" ثروت پھپھو کو جیسے ہی اطلاع ملی گرتی پڑتی غیور کے ہمراہ پہنچ گئیں۔ گرتی پڑتی (محاورتاً) ورنہ وہ گرنے پڑنے والوں میں سے نہیں تھیں۔

"کیا کہوں ثروت، بس سب کچھ اچانک ہی ہوا۔

ورنہ تم تو اپنی ہو، تم سے بھلا کیسی پردہ داری۔" خلاف مزاج نبیلہ بیگم نے رسانیت سے جواب دیا۔

"اپنے پن کی بھی خوب کہی۔" انہوں نے لمبا سا طنزیہ ہنکارا بھرا۔ پھر قدرے جھکتے ہوئے رازداری سے بولیں۔

"ویسے بھابھی آپ نے کبھی جمشید کے لیے اپنی بھتیجی زارا کا خیال تو ظاہر نہیں کیا اور اب یوں آنا" فانا" سارے معاملات طے پا گئے۔ کہیں ان دونوں کی پسند وسند کا تو کوئی چکر نہیں؟"

یہ سن کر نبیلہ بیگم کا ضبط جواب دے گیا۔ "خدا جانے ثروت صاف اور سیدھی بات تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آتی۔ اپنی طرف سے پھندنے ٹانکنے لگ جاتی ہو۔ کوئی ایسا ویسا چکر نہیں ہے، تم اپنے قیاس کے گھوڑے دوڑا کر خواہ مخواہ خود کو ہلکان مت کیا کرو۔"

ایسے کرارے جواب پر ثروت پھپھو جی بھر کر بد مزا ہوئیں۔ پھر پاس سے گزرتی سلویٰ کو آواز دی۔

"اے سلویٰ میری بچی! کوئی چائے پانی ہی پلا دو۔ ایک تم ہی تو ہو جس کی خاطر یہاں کا رخ کرتی ہوں۔ ورنہ کون یہاں ہمیں پوچھتا ہے۔"

"جی پھپھو بس ابھی لائی۔"

چائے کے ساتھ اس نے اور بھی ڈھیر سارے لوازمات پھپھو کے سامنے چن دیے تھے۔ جن سے بھرپور انصاف کرتی پھپھو کی نظر اچانک اپنے کمرے سے نکل کر کچن کی طرف جاتی حمدہ پر پڑی تھی۔

"یہ حمدہ کیا سارا وقت یہیں پر ہوتی ہے؟ اپنے سسرال نہیں ٹکتی۔ میں تو جب بھی آؤں یہ اور اس کی بچیاں یہاں ہی ڈیرہ جمائے ملتی ہیں۔" آخر میں بھرپور قہقہہ پھپھو کے بے تکلف ٹھٹھے کو کسی نے بھی پسند نہیں کیا۔

"کیوں نہیں جاتی اپنے سسرال، یہ تو بھائی کی شادی کے دن نزدیک ہیں تو تیاری میں ہمارا ہاتھ بٹانے آئی ہوئی ہے۔ ورنہ میں اور سلویٰ اکیلی بھلا کیا کیا دیکھیں۔"

ماں اور پھپھو کی تکرار سے اکتا کر سلوی کچن میں چلی آئی اور اس کے پیچھے اپنا چائے کا کپ اٹھائے غیور بھی۔

"چلو بھئی سلویٰ! اب تم ہی کچھ منہ سے پھوٹ دو، اصل چکر کیا ہے؟ اماں صحیح کہتی ہیں، ممانی کبھی بھی اصل بات نہیں بتائیں گی۔" خدا جانے وہ ماں کے کہنے پر "پکی رپورٹ" لینے آیا تھا یا ذاتی طور پر اس رشتے کے حوالے سے اس کے اپنے دل میں کھد بد مچی ہوئی تھی۔ جو بھی تھا سلویٰ کو خوب تاؤ آیا۔

"غیور! تمہیں نہیں لگتا، تم اس معاملے میں کچھ زیادہ ہی دلچسپی لے رہے ہو؟ جمشید بھائی اور زارا کے رشتہ طے ہونے میں ایسا کیا تعجب کہ تم لوگوں کی تشفی ہی نہیں ہو پا رہی۔" سلویٰ نے ٹھیک ٹھاک دل کی بھڑاس نکالی۔ حقیقتاً" اسے غیور کی اس معاملے میں اس قدر دخل اندازی ناگوار گزری تھی۔

"تم خواہ مخواہ ناراض ہو رہی ہو، مجھے بھلا کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔" غیور نے فوراً" پینترا بدلا۔ "میں تو ویسے ہی پوچھ رہا تھا، اس سلسلے میں میری کسی مدد کی ضرورت ہو تو میں حاضر۔" سینے پر ہاتھ رکھے سر کو خم کیے وہ یوں بولا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی سلوی کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

"اچھا چلو لاؤنج میں چلتے ہیں۔"

وہاں ثروت پھپھو اب جمشید کو گھیرے، بہت ٹھنک کر کہہ رہی تھیں۔ "بھئی دولہا کی اکلوتی پھپھو ہوں، میں تو شادی پر سونے کے کڑے لوں گی۔"

جمشید ——— دھیما سا مسکراتے ہوئے سر جھکا کر بیٹھا تھا اور پھپھو تھیں کہ پھیلتی ہی جا رہی تھیں۔ نبیلہ بیگم اور حمدہ نے بے ساختہ دانت کچکچائے۔

پانی کا گلاس منہ سے لگائے ظفری کو اچھو لگ گیا۔

"کیا کہہ رہی ہیں پھپھو، کڑے اور وہ بھی سونے کے؟"

"کیوں کیا، بھتیجا اپنی خوشی سے اکلوتی پھپھو کی "اتنی" سی خواہش بھی پوری نہیں کر سکتا۔ ماشاء اللہ لاکھوں کما رہا ہے۔"

"دیکھ لیں پھپھو، پھر تو غیور کی شادی پر آپ کو امی کو سونے کے کڑے پہنانے پڑیں گے، پھر ہوا

حساب برابر۔ کیونکہ خیر سے آپ کا اکلوتا بیٹا ہے اور اپنی خوشی میں "اکلوتی ممانی" کی "اتنی" سی خواہش تو وہ بھی پوری کر دے گا۔"

اب اچھو لگنے کی باری پھپھو کی تھی۔ نبیلہ بیگم کالی پیلی ایک دم کنٹرول میں آنے لگا۔

جمشید کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھا کر پھپھو اپنی بات منوا کر ہی اٹھتیں، لیکن اب ان کے لیے اکیلا ظفری ہی کافی تھا۔

☆ ☆ ☆

نبیلہ بیگم نے سوچا تو یہ ہی تھا کہ بچت کے سنہری اصولوں پر عمل کرتے ساری تیاری اوسط درجے کی ہی کریں گی، لیکن جس طرح جمشید نے بری وغیرہ کی تیاری کے لیے دل کھول کر پیسا ان کے ہاتھ میں رکھا تھا، انہیں حمدہ کے خدشات بجا لگنے لگے تھے۔

"دیکھ لیں امی! ابھی سے آپ کے صاحب زادے کا یہ حال ہے۔ اب آگے سب کچھ آپ ہی نے سنبھالنا ہے۔ آنے والی یقیناً" آپ کی بھتیجی ہے، لیکن وہ جمشید بھائی کی بیوی ہے اور وہ بھی من پسند، یہ بات مت بھولیے گا۔"

حمدہ برابر ماں کی برین واشنگ کیے جاتی۔ جبکہ سلویٰ بے نیازی سے اپنی تیاریوں میں مگن رہی۔

شادی کی مخصوص رونق اتر آئی تھی۔ لہراتے رنگین آنچل، کھنکتی چوڑیاں، بے فکر قہقہے، شرمیلی مسکراہٹیں، دبی سرگوشیاں، غرض ہر کوئی مشغول، ہر کوئی مگن۔ ایسے میں ایک غیور تھا جس کے دل میں ایک دم رقابت کا بھانبھڑ جل اٹھا تھا۔

اس کی نگاہیں اسٹیج پر جمشید کے پہلو میں بیٹھی زارا پر جم سی گئیں۔ جیسے کسی نے سنہری مجسمہ تراش کر اس کے پہلو میں بٹھا دیا ہو۔ "اتنے عام سے جمشید کی اتنی قسمت۔ عام سے نقوش، گندمی رنگت، اونچے لمبے قد کا جمشید آج بہت خاص بن گیا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلے مسرت کے رنگ اس کی اندرونی خوشی کے غماز تھے۔

"اچھے لگ رہے ہیں نا دونوں؟" نہ جانے کب سلویٰ اس کے قریب آ کھڑی ہوئی۔

وہ چونک گیا۔ "ہاں، بہت۔" ٹھنڈی سانس سینے میں اتاری اور وہاں سے ہٹ گیا۔

سلوی کندھے اچکا کر اسٹیج کی طرف بڑھ گئی۔ جہاں دودھ پلائی کی رسم کے لیے کزنز مومنہ کو آگے کر رہی تھیں۔ کامدار سوٹ میں سجی سنوری مومنہ نے متوحش نظریں چہار اطراف دوڑائیں۔ مصطفیٰ کہیں پر مصروف تھا، لیکن مومنہ کو اس کی نگاہیں خود پر جمی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ اپنے آپ میں سمٹتی جھجک رہی تھی۔

"کم آن بھابھی! گھبرا کیوں رہی ہیں؟ ایسے موقع بار بار تھوڑی ملتے ہیں۔ ہمارے دولہا بھائی خاصی بھاری بھرکم اسامی ہیں، ہم ایسے ہی تو نہیں چھوڑیں گے ان کو۔"

کسی شرارتی سی کزن نے اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے کر دیا۔ ہمیشہ اپنے کام سے کام رکھنے والا سنجیدہ سا جمشید اس وقت چھیڑ چھاڑ کو انجوائے کر رہا تھا۔ مومنہ نے لرزتے ہاتھوں سے دودھ کے گلاس والی ٹرے آگے کی۔

"ہاں بھئی ندیدی قوم! کتنے لے کر ہٹو گی؟" ظفری بھی میدان میں کود آیا تھا۔

"ندیدی قوم؟" لڑکیوں نے خوب برا مانا۔ ظفری نے شانے اچکائے۔

"پچاس ہزار۔" ستارہ نے کہنے کے ساتھ ہی مومنہ کی ہتھیلی پکڑ کر آگے کر دی۔

"یہ منہ اور مسور کی دال۔"

"غیر متعلقہ افراد اپنی حدود میں رہیں، ہم اپنے دولہا بھائی سے مخاطب ہیں۔"

اس سے پہلے کہ ظفری کوئی کرارا سا جواب دیتا، جمشید نے مسکراتے ہوئے پچاس سے بھی کچھ اوپر ہزار، ہزار کے کئی نوٹ مومنہ کی ہتھیلی پر رکھ دیے۔ جہاں لڑکیوں نے ہرا کا نعرہ بلند کیا۔ وہیں حمدہ بے ہوش ہونے والی ہو گئی۔

مومنہ نے جلدی سے ہاتھ نیچے کیا۔ اس نے دور سے ہی سفید کاٹن کے شلوار قمیص میں ملبوس مصطفیٰ کو اندر داخل ہوتے دیکھ لیا تھا۔ مومنہ نے گھبراہٹ کے مارے پیسے ستارہ کے ہاتھ میں تھمائے۔

"یہ بعد میں سب آپس میں بانٹ لینا۔"

اس نے سارے رنگین منظر سے گویا کٹ کر ساکت بیٹھی زارا پر نظر ڈالی۔ اسی وقت زارا نے بھی نگاہ اٹھا کر اس انداز سے دیکھا کہ مومنہ بے ساختہ آگے بڑھی۔ اس کے ماتھے پر بوسا لیتے زیر لب کہا۔

"خدا تمہاری ان آنکھوں کی لاج رکھے۔" اور نم پلکیں جھپکاتی اسٹیج سے نیچے اتر آئی۔

☆ ☆ ☆

"غصہ کرنا مرد کی شان ہے' چاہے وہ یہ غصہ چیخ چلا کر اتارے' ہاتھ اٹھا کر' برتن توڑ کر یا پھر کسی کا دل' اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ میرا گھر ہے' یہاں پتا بھی ہلتا ہے تو صرف میری مرضی سے۔" رعونت بھری آواز دیواروں سے ٹکرا کر سارے گھر میں سالوں تک گونجتی رہی تھی۔ کچھ اس طرح کہ اس گھر کی عورتوں کی سماعتوں میں یہ آواز گویا بس سی گئی۔

"شوہر کو کیسے خوش رکھنا ہے' یہ تم جیسی جاہل عورت کبھی نہیں جان سکتی۔" باپ کے پرتو' مصطفیٰ مشہود نے چائے کا کپ سامنے دیوار پر دے مارا تھا۔

"مجھے زبان دراز عورتیں سخت ناپسند ہیں' اپنی اوقات میں رہنا سیکھو۔"

کوئی بہت بے دردی سے کسی کی عزت نفس کو روند رہا تھا۔ اس کی شخصیت کے اعتماد کو پیروں تلے مسل رہا تھا' اس کی ذات کے غرور کو توڑ کر اپنی نام نہاد مردانگی کے جھنڈے گاڑ رہا تھا۔

"دیکھنا اور سننا اس قدر اذیت ناک تھا تو پھر سہنا؟" زارا کو لگا وہ کسی صلیب پر ٹنگی ہے۔ اسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا۔ آوازوں کا شور تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ ہسٹریائی ہو کر دونوں ہاتھ کانوں پر رکھے چیخ اٹھتی' وہ چونکی۔ اس کا سانس دھونکنی کی مانند چل رہا تھا۔

جمشید بیڈ پر اس کے قریب بیٹھ رہا تھا۔ غیر محسوس انداز میں ہاتھ سے لہنگا سمیٹتی وہ قدرے پیچھے ہل گئی۔ جمشید کے لبوں پر زیر لب مسکراہٹ دوڑ گئی۔ آنکھوں میں محبت کے دیپ جلائے وہ اس کے ایک ایک نقش کو دیکھے گیا۔ اسے لگا اگر وہ ساری رات بھی اس طرح بنا پلک جھپکائے اسے دیکھتا رہے تو پوری رات کٹ جائے گی' نگاہیں آنکھیں سیر نہیں ہوں گی۔ اپنے اس خیال پر اسے خود ہی ہنسی آگئی۔

"جانتی ہو زارا مجھے ہمیشہ وہ نہیں ملا جو میں نے چاہا۔ اگر ملا بھی تو بہت تردد کے بعد' لیکن تمہاری دفعہ قسمت نے ایسی یاوری کی کہ ابھی تک میں بے یقین سا ہوں۔ جس کو چاہا اس کو اتنی آسانی سے پا بھی لیا۔ گو کہ اپنے جذبوں کی صداقت پر مجھے پورا یقین تھا' لیکن ماموں جان کا مزاج مجھے کسی بھی خوش فہمی میں مبتلا ہونے سے روکتا تھا' لیکن اس بار قسمت واقعی مجھ پر مہربان رہی۔"

زارا اپنی گود میں دھرے ہاتھوں پر نگاہیں جمائے بیٹھی رہی۔ کمرہ گلاب کے تازہ پھولوں سے مہک رہا تھا۔ بیڈ پر بھی پتیاں بکھری ہوئی تھیں۔

"یہ تمہاری رونمائی۔" جمشید نے خوب صورت سا مخملیں کیس کھول کر اس کے سامنے کیا۔ دوسرے ہاتھ سے اس کا سرد حنائی ہاتھ تھام لیا۔ زارا کو جیسے کرنٹ نے چھو لیا تھا۔ ایک جھٹکے سے اس نے اپنا ہاتھ اس کی نرم گرفت سے چھڑایا۔ جمشید بھونچکا رہ گیا۔

"میں ایسی باتوں پر یقین نہیں رکھتی۔" کیس اس کے ہاتھ سے لے کر بند کر کے اس نے بیڈ پر ڈال دیا۔ ننھے منے ڈائمنڈ سے جگمگاتا گولڈ کے نفیس بریسلیٹ کو اس نے دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی۔ جسے وہ کئی گھنٹوں کی مشقت کے بعد خرید پایا تھا۔

"تم محبت پر یقین نہیں رکھتیں؟"

زارا کے سرخ کٹاؤ دار ہونٹوں پر عجیب مسکراہٹ آئی تھی۔ کیا مسکراہٹ ایسی بھی ہو سکتی ہے جان لیوا؟

مردوں کے منہ سے محبت کا لفظ اچھا نہیں لگتا۔ وہ اس کی "میم" سے واقف نہیں ہوتے انہیں ایسے رشتے نہیں کرنے چاہئیں۔"

"تو تم غلط فہمی میں مبتلا ہو۔" جمشید نے گہری سانس اپنے اندر اتاری۔

"میں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہتی۔"

"اور اگر میں کہوں میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں زارا۔ بے تحاشا محبت۔" آنکھوں میں محبت کے دیپ جلائے وہ سراپا سوال بن گیا تھا۔ زارا نے نگاہیں پھیریں۔

"یہ قربت کی چاہ ہے جسے آپ محبت کا نام دے رہے ہیں۔" وہ اس کے پہلو سے اٹھ کر بیڈ سے نیچے اتر آئی تھی۔ چوڑیوں کی جلترنگ سی بج اٹھی۔ جمشید اس کے مقابل آکھڑا ہوا۔ زارا کو اس کی سانسوں کی تپش اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھی۔

"تم میری محبت کی توہین کر رہی ہو۔"

"تو کیا نہیں ہے آپ کو میری قربت کی طلب؟" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ اس کے سامنے کسی امتحان کی طرح آکھڑی ہوئی تھی۔ جمشید کا دل ہارنے لگا۔

"اگر تمہیں ایسا لگتا ہے تو تمہاری یہ غلط فہمی بہت جلد دور ہو جائے گی کیونکہ قرب کی طلب بھی وہاں جاگتی ہے جہاں محبت ہو۔ لیکن مجھے تم سے جسم کا نہیں روح کا تعلق قائم کرنا ہے۔ جب تک تمہارے دل میں میری محبت میرے قرب کی طلب نہیں جاگے گی میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔"

"اور یہ دعوا کب تک برقرار رہے گا؟" وہ استہزائیہ انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"جس دن تم خود یہ بریسلیٹ پہن کر میری محبت کا اعتراف کرو گی۔" وہ اس کے سامنے سے ہٹ گیا۔ اس کا ہوش ربا حسن اسے کمزور کر رہا تھا۔ لیکن اسے اپنے جذبوں کو بے مول نہیں کرنا تھا۔ اس کے ہٹتے ہی زارا نے سانس بحال کی۔

"کیا ہوا؟ کیا سوچ رہی ہو؟" سلویٰ نے حمدہ کا پرسوچ چہرہ دیکھا۔

دونوں اس وقت ایک ہی تکیے پر سر رکھے کارپٹ پر لیٹی تھیں' قریب ہی ثروت پھپھو بھی منہ پر دوپٹا ڈالے اللہ جانے سو رہی تھیں یا پھر سونے کی اداکاری کر رہی تھیں۔ ظفری صوفے پر آڑھا ترچھا لیٹا موبائل پر بزی تھا۔

"تم نے دیکھا سلویٰ! دودھ پلائی کے وقت جمشید بھائی نے کیسے اتنے ڈھیر سارے پیسے نکال کر ان لوگوں کو دے دیے۔" حمدہ کی سوئی ابھی تک وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

"ہاں' ہمیں بھی تو انہوں نے شاپنگ کے لیے ایسے ہزاروں پکڑائے تھے۔"

"ہم بہنیں ہیں' ہمارا حق بنتا تھا۔" حمدہ کی آواز ایک دم اونچی ہوئی تھی۔

سلویٰ نے فوراً" اسے ٹھوکا مارا۔ اور پھپھو کی طرف اشارہ کیا۔ دونوں پھر سے سرگوشیوں میں بات کرنے لگی تھیں۔ بظاہر نیند میں گم پھپھو کے کان دونوں بہنوں کی "کھسر پھسر" پر ہی لگے ہوئے تھے۔

"کم بخت اشاروں میں باتیں کرنے لگی ہیں۔" بدمزہ سا ہو کر ان کے خیال کی رونے پلٹا کھایا۔ جس طرح جمشید نے اپنی شادی پر کھلا خرچا کیا تھا یقیناً" لاڈلی بہن کی شادی پر بھی ایسے پانی کی طرح ہی پیسہ بہائے گا۔

ظفری کے بچے کی وجہ سے کڑوں کی خواہش تو نا آسودہ رہ گئی۔ لیکن غیور اور سلویٰ کی شادی پر وہ بہت کچھ آسانی سے نکلوالیں گی۔ انہیں غیور کا سلویٰ کے ساتھ رشتہ طے کرنے کا اپنا فیصلہ بالکل درست لگا۔

"ہائے پھپھو پر چھپکلی گر گئی۔" ظفری نے بہت اچانک کچھ یوں کہا کہ پھپھو بدک کر اٹھ بیٹھیں۔ نیند کا ڈراما' خرائے سب ہوا ہو گئے۔

"کہاں؟ کہاں ہے چھپکلی؟" کھڑے ہو کر کپڑے جھاڑتی وہ باقاعدہ ناچنے لگی تھیں۔

ظفری کا زوردار قہقہہ بلند ہوا۔ سلوی اور حمدہ کے چہروں پر بھی دبی دبی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ پھپھو کھسیانی سی ہو گئیں۔ اس سے پہلے کہ وہ ظفری کے لتے لیتیں اسی وقت نبیلہ بیگم چلی آئیں۔

"ارے بھئی لڑکیو! ابھی تک پڑی اینٹھ رہی ہو۔ وہ جمیلہ اور اس کی ماں اکیلی ہی کچن میں لگی ہیں۔ جاؤ جا کر ناشتے کا انتظام دیکھو۔"

☆ ☆ ☆

اس کے کمرے کی دو کھڑکیاں باغیچے کی طرف نکلتی تھیں۔ چڑیوں کی چہکار اور انواع واقسام کے پھولوں کی مہک سے بوجھل ہوا کے جھونکے اس کے لیے صبح کی آمد کا پیغام لاتے لیکن اب منظر بدل گیا تھا۔ باسی پھولوں کی مہک اس کے خوابیدہ احساسات سے ٹکرائی تھی۔ وہ خالی الذہن کی کیفیت میں یوں ہی چند ثانیے لیٹی رہی پھر ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ نظر سامنے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں ابھرتے اپنے عکس پر جا رکی تھی۔

سنہری الجھی لٹیں' پھیلا کاجل' مٹا مٹا میک اپ' ناک میں چمکتی لونگ آئینے میں جھلملاتا عکس اسے گزری رات کی کہانی سنا رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں سے حنا کی مہک پھوٹ رہی تھی۔ تو وہ رات آ کر گزر بھی گئی جس کے بارے میں اسے لگتا تھا وہ کانٹوں پر بسر کرے گی۔ لیکن سب کچھ اس کی توقع کے برخلاف ہوا تھا۔

یہ جمشید کے بخشے اعتماد کا ہی اعجاز تھا کہ وہ یوں بے خبر ہو کر سوئی۔ لیکن وہ خود کہاں تھا؟ مختلف سوچوں کے بھنور میں ڈوبتی ابھرتی وہ واش روم میں بند ہو گئی۔ شاور لینے سے طبیعت پر چھایا سارا بوجھل پن دور ہو گیا تھا۔ وہ باہر نکلی تو سلوی بیڈ پر اس کی منتظر بیٹھی تھی۔ ہم عمر ہونے کے باوجود ان لوگوں میں کنزنز والی بے تکلفی نہیں تھی۔

ایک تو زارا کی کم گوئی اور دوسرا مشہور اماموں کے گھر کا ماحول ایسا تھا کہ وہ لوگ ان کے گھر زیادہ آنا جانا پسند نہیں کرتی تھیں۔ لیکن اب رشتے کی نوعیت بدل گئی تھی۔ سلوی نے اس کی طرف دوستانہ مسکراہٹ اچھالی اور اٹھ کر الماری سے اس کے لیے تیز آتشی گلابی کا بھاری کلدار سوٹ نکالا۔ ساتھ میں میک اپ کا سامان' میچنگ چوڑیاں' جیولری وغیرہ' لیکن سادگی پسند زارا ان لوازمات کو دیکھ کر بدک ہی تو اٹھی۔ پھر سلوی کے لاکھ ٹوکنے کے باوجود اس نے آسمانی رنگ کا نسبتاً" ہلکے کام والا شیفون کا سوٹ پہن لیا۔

سنہری نم بالوں کو سلجھا کر پشت پر ڈالا اور دوپٹا دونوں کندھوں پر پھیلا لیا۔ سلوی حق دق رہ گئی۔ مانا کہ اس کی خوب صورتی کسی مصنوعی بناؤ سنگھار کی محتاج نہیں تھی۔ لیکن اس نے تو لپ اسٹک تک لگانے سے انکار کر دیا تھا۔ رسم دنیا' موقع' دستور بھی آخر کسی چڑیا کا نام ہے۔ سلوی نے بمشکل خود کو کہنے سے روکا پھر سر جھٹک کر سارا سامان دوبارہ اندر رکھتے ہوئے بولی۔

"بائی داوے! آپ کو بھائی نے منہ دکھائی میں کیا دیا؟" زارا نے دراز کھول کر بریسلیٹ اس کی طرف بڑھایا۔

"واؤ! اتنا پیارا... لیکن آپ نے پہنا کیوں نہیں؟" گولڈ کا بریسلیٹ جگر جگر چمک رہا تھا۔

زارا نے نگاہ چرائی۔ "بعد میں پہن لوں گی۔" غیر محسوس انداز میں کیس اس کے ہاتھ سے لے کر دراز میں ڈال دیا۔

"عجیب الٹی مخلوق ہیں۔" سلوی سر جھٹکتے ہوئے اس کو لیے سیڑھیاں اترنے لگی۔

وہ نبیلہ بیگم اور حمدہ کی ہدایت پر ہی اس کی تیاری میں مدد کے لیے اوپر بھیجی گئی تھی' لیکن اب زارا کی "تیاری" پر نظر پڑتے ہی دونوں نے ایک ساتھ سلوی کو گھورا۔ وہ محض کندھے اچکا کر رہ گئی۔ ناشتے

بھرپور انصاف کرتی ثروت پھپھو نے مارے استعجاب کے ناک پر انگلی دھر لی۔ ان کی زبان کون روک سکتا تھا؟

"اے لو کوئی کہے گا کہ یہ نئی نویلی دلہن ہے۔ نہ مرغی پاؤڈر' نہ گہنے' اے دلہن! شروع کے دن میں تو لوگوں کے بناؤ سنگھار کے چاؤ ہی پورے ہونے میں نہیں آتے۔ ایک تم ہو نہ سجنے کا شوق' نہ سنورنے کا ارمان۔ ہمارے وقتوں میں تو جب تک پہلا بچہ گود میں نہیں آ جاتا تھا' تب تک نئی دلہنوں والے سنگھار ماندھی نہ پڑتے۔" زارا کے کان کی لویں تک سرخ پڑ گئیں۔

بالکل سامنے ہی سفید شلوار قمیص میں بال سلیقے سے جمائے' آستینیں موڑے اخبار بینی کرتے جمشید نے ایک بھرپور نگاہ اس کے سراپے پر ڈالی تھی۔

حمدہ نے بے اختیار پہلو بدلا۔ "آخر یہ پھپھو اپنے گھر چلی کیوں نہیں جاتیں۔ ڈیرہ ہی جما لیا انہوں نے ز۔"

جمشید اٹھ کر چلا گیا تھا۔ پھپھو ابھی بھی کچھ بول رہی تھیں۔ زارا کو اپنے چہرے پر عجیب سی جھجھن کا احساس ہوا۔ اس نے نگاہ اٹھائی۔ جمشید کی چھوڑی جگہ پر غیور ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھا تھا۔ نگاہ ملنے پر مسکراتے ہوئے چائے کا کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔ پراسرار مسکراہٹ چھپ گئی تھی' لیکن آنکھیں؟

آنکھیں ایسی بھی ہوتی ہیں؟ بے باک' اندر تک اترتی' کراہیت آمیز' عورت کے اندر اللہ نے یہ حس رکھی ہے' وہ مرد کی اپنی طرف اٹھنے والی نگاہ پہچان جاتی ہے۔

اور اس "نگاہ" میں خیر نہیں تھی۔ زارا کو اپنا دم گھٹتا سا محسوس ہوا۔

☆ ☆ ☆

"یہ کیا ہوا؟" مومنہ کے ماتھے پر ڈرانیل دیکھ کر وہ چونک گئی۔

مومنہ نے بے ساختہ نگاہ چرائی۔ "چوٹ لگ گئی تھی۔"

زارا کا تنفس تیز تر ہو گیا۔ "کیسے؟"

"ہاں... وہ بس اس دن غلطی سے واش روم میں..."

"ویسی ہی غلطی سے جیسے پہلے بھی آپ بہت بار کبھی واش روم میں پھسل کر گر جایا کرتیں' تو کبھی سیڑھیوں سے؟" زارا نے تلخی سے اس کی بات کاٹی۔

مومنہ کی پلکیں بھیگنے لگی تھیں۔ زارا کو ایک دم اس پر ڈھیر سارا ترس آیا۔

"کب تک یوں پردے ڈالتی رہیں گی ان کے گناہوں پر؟ اس بار کیوں ہاتھ اٹھایا انہوں نے؟"

"تمہاری شادی والے روز اسٹیج پر انہوں نے مجھے دیکھ لیا تھا۔"

"تو کیا کر رہی تھیں آپ؟ محض ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ تھوڑا سا ہنسی مذاق اور بس؟"

"یہ تو تم سمجھتی ہو' انہیں لگا تھا میں سب کے بیچ ان کی آنکھوں میں دھول جھونکتی بے حیائی سے کھلکھلا رہی تھی۔" مومنہ کی آنکھیں برسنے لگی تھیں۔ زارا کے دل پر ڈھیر سارا بوجھ آن گرا۔

اس کا دل اداس ہو رہا تھا۔ اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے جمشید کو امی کے ہاں چھوڑنے کے لیے کہا۔ جمشید نے بنا کسی تامل کے آفس جاتے ہوئے اسے یہاں ڈراپ کر دیا تھا۔ لیکن یہاں آ کر اس کے دل کا بوجھ مزید بڑھ گیا۔

"یہ سب چھوڑو زارا' تم یہ بتاؤ' تم خوش تو ہو نا؟" مومنہ کے دل کا بوجھ بٹ گیا تھا۔ اس نے ہاتھ کی پشت سے گیلے رخسار صاف کر ڈالے۔

"پتا نہیں۔" اس نے بے زاری سے جواب دیا۔

"خوشی کو محسوس کرو' یہ تمہیں اپنے وجود کا احساس دلائے گی۔"

"یاد ہے' ایک بار آپ نے ہی کہا تھا خوشی خوشبو کی طرح ہوتی ہے۔ جسے سات پردوں میں بھی چھپاؤ' پھر بھی اپنا آپ عیاں کر دیتی ہے۔"

"ہاں... لیکن مجھے تمہارے وجود سے وہ مہک پھوٹتی محسوس کیوں نہیں ہو رہی زارا؟" محبت بھرا لہجہ

تاسف لیے ہوئے تھا۔

"میں زندگی میں خوش فہمیوں کو جگہ نہیں دینا چاہتی۔" وہ اٹھ کر کھلی کھڑکی میں آکھڑی ہوئی تھی۔ اسے لگا مومنہ اس کی آنکھیں سے اندر کا سارا بھید پالیں گی۔

"خوش فہمی نہ سہی' نادانیوں کو بھی جگہ مت دو' ورنہ بدگمانیاں جنم لیں گی۔"

زارا پلٹی' لیکن منیزہ بیگم کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر بات لبوں میں دبالی۔

"جمشید کھانا یہیں کھائے گا نا؟"

"پتا نہیں امی!" اس کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا تھا۔

"بری بات بٹیا! تمہیں اس سے کہنا چاہیے تھا جب شام کو وہ تمہیں لینے آئے' کھانا یہیں کھائے۔"

"امی جو پکا ہو گا وہی پیش کر دیجیے گا۔ خواہ مخواہ کسی کو سر پر چڑھانے کی ضرورت نہیں ہے۔" مومنہ کے ماتھے پر پڑا نیل اس کی تلخی بڑھا رہا تھا۔

"کسی کو عزّت دینے سے ہماری عزّت میں کمی واقع نہیں ہو جاتی۔"

"لیکن اکثر لوگ اس عزّت افزائی کے قابل نہیں ہوتے امی۔"

"خدا کرے جمشید کا شمار ایسے لوگوں میں نہ ہو۔"

زارا کے لبوں پر بے بس مسکراہٹ در آئی تھی۔ وہ ماں کی طرح خوش امید نہیں تھی۔

منیزہ بیگم' مومنہ کو شام کے کھانے کی ہدایت دینے لگی تھیں۔ زارا آہستہ سے اٹھ کر باغیچے میں آگئی۔ سب کچھ ویسا ہی تھا۔ وہی پھول' پتے' چڑیاں' اچھلتی گلہریاں کچھ بھی تو نہیں بدلا تھا۔ شاید وہ خود بدل گئی تھی۔ اسے یہ گھر' در و دیوار' اپنا باغیچہ سب ایک دم اجنبی سا لگنے لگا تھا۔

"اچھا تو تم ان سب کو مس کر رہی تھیں؟" جمشید کے کلون کی مہک پھولوں کی باس پر حاوی ہونے لگی تھی۔ "سنو اس سے دگنا بڑا لان وہاں بھی ہے جہاں کے پھول' پودے کسی کی نظر التفات کو برسوں سے ترس رہے ہیں۔ اگر تم تھوڑی سی عنایت ان پر کرو تو وہ بھی کھل کر جھوم اٹھیں گے۔" دونوں بازو سینے پر باندھے وہ اس کے اداس سراپے پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔

جوتے سے زمین کھرچتی زارا نے گہری سانس اپنے اندر اتاری اور بنا کوئی جواب دیے پلٹی۔ وہ بھی اس کی معیت میں اندر آگیا۔ مشہود صاحب اور مصطفیٰ زمینوں کے کام کے سلسلے میں رقبے پر مصروف تھے۔ منیزہ بیگم ان کی عدم موجودگی کی توجیہہ بیان کرتے ایک ایک چیز محبت سے اس کے آگے پیش کر رہی تھیں۔

"اگر تم لوگ تھوڑا سا اور رک جاتے تو ان سے بھی ملاقات ہو جاتی۔ وہ لوگ بس آنے ہی والے ہوں گے۔"

بمشکل کھانا ختم کر کے زارا جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ جمشید نے خوش گوار حیرت سے اسے دیکھا۔ اسے لگا شاید وہ رات یہاں رکنے کا ارادہ ظاہر کرے گی۔ لیکن اب جانے کے لیے کھڑا ہوتا دیکھ کر اس نے گہری اطمینان بھری سانس اپنے اندر اتاری تھی۔ گو کہ ایک ہی گھر میں ایک ہی چھت کے نیچے وہ اس سے صدیوں کے فاصلے پر تھی۔ لیکن جمشید کے لیے اس کی اپنے آس پاس موجودگی ہی باعث طمانیت تھی۔

زارا باپ اور بھائی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسے اپنا بھرم ٹوٹنے کا خوف نہیں تھا' لیکن وہ باپ اور بھائی کی جارحانہ فطرت سے واقف تھی۔ وہ ماں اور مومنہ کا بھرم نہیں ٹوٹنے دینا چاہتی تھی۔

☼ ☼ ☼

ایک بے حد تھکا دینے والے دن کا اختتام ہوا تھا۔ جمشید ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا لاؤنج میں صوفے پر ڈھے سا گیا۔ نیچے کارپٹ پر سلویٰ کشن کا ڈھیر لگائے ان پر کور چڑھا رہی تھی۔ جبکہ نبیلہ بیگم کی تمام تر توجہ اس وقت ٹی وی پر چلتے اپنے پسندیدہ ڈرامے کی طرف تھی۔

"ایک کپ چائے ملے گی؟" اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف جاتے اس نے سامنے سے آتی زارا سے کہا تو وہ بنا کوئی جواب دیے پلٹی۔ جمشید اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

نبیلہ بیگم کے اشارے پر سلویٰ فوراً" اٹھی۔ ان ڈھکے چھپے اشاروں کے پیچھے حمدہ کی دی جانے والی خصوصی ہدایات تھیں جو وہ جاتے جاتے ماں' بہن کو اچھی طرح ذہن نشین کروا گئی تھی۔ زارا نے ابھی چولہے پر چائے کا پانی چڑھایا ہی تھا کہ سلویٰ چلی آئی۔

"آپ کی ساس آپ کو یاد فرما رہی تھیں۔ جا کر ان کی بات سن لیں' جمشید بھائی کو چائے میں دے آتی ہوں۔"

زارا سر ہلاتی ہوئی کچن سے باہر نکل گئی۔ سلویٰ نے آرام سے چولہا بند کر کے کھولتا پانی سنک میں بہایا اور فریج سے سیب نکال کر وہیں مزے سے کھانے لگی۔

لاؤنج میں نبیلہ بیگم نے زارا کو پاس بٹھا کر نہ جانے کب کا پرانا کوئی خاندانی قصّہ چھیڑ دیا تھا۔ زارا کو ایسے خاندانی قصوں سے بھلا کیا دلچسپی ہونی تھی' محض خاموشی سے سنتی رہی۔ ادھر اپنے کمرے میں سر میں اٹھتی درد کی ٹیسوں کو دباتے جمشید کی نگاہیں بار بار وال کلاک کی جانب اٹھ جاتیں۔ کلاک کی ٹک ٹک اس کی مایوسی بڑھا رہی تھی۔

"ناپسندیدگی اور لاتعلّقی کی کوئی تو حد ہوتی ہو گی زارا؟"

سر کا درد سوا تھا' لیکن اس کے علاوہ کچھ اور بھی تھا جو اسے اندر سے کاٹ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"سلویٰ! تمہارا فون ہے۔" لاؤنج سے ظفری پکار رہا تھا۔

اپنے کمرے میں جانے کا ارادہ ترک کرتی سلویٰ نے ہولڈر پر رکھا ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف اس کی دوست نادیہ تھی۔ دعا سلام کے بعد سلویٰ اس کے یوں بے وقت فون کرنے کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی جب نادیہ کی قدرے ہچکچائی آواز ابھری۔

"سنو سلویٰ' تم سے ایک بات کہنی تھی۔"

"ہاں کہو۔" سلویٰ تسلی سے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔

"یار تم مائنڈ مت کرنا۔ بات دراصل یہ ہے کہ کل شام میں' ہم لوگ دانیال بھائی کے ساتھ باہر ڈنر کرنے گئے تو وہاں ریسٹورنٹ میں' میں نے تمہارے کزن غیور کو دیکھا۔ وہ کسی اور لڑکی کے ساتھ تھا۔ وہ لڑکی اس کے ساتھ بہت فرینک ہو رہی تھی یا شاید وہ دونوں ہی ایک دوسرے کے ساتھ بہت فرینک تھے۔"

سلویٰ ایک دم چپ سی ہو گئی۔ مگر کمزور دفاعی لہجے میں بولی۔ "تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہو گی نادیہ۔"

"کم آن یار! میں نے تمہارا وہ کزن دیکھ رکھا ہے' بلکہ تمہارے حوالے سے تو خاصی اچھی طرح دیکھا ہوا ہے۔ میں اسی ادھیڑبن میں تھی کہ تمہیں بتاؤں نہ بتاؤں' لیکن پھر سوچا شاید تم سے یہ بات چھپا کر میں تم سے کوئی زیادتی نہ کر بیٹھوں۔ مجھے غلط فہمی نہیں ہوئی' وہ سو فیصد وہی تھا۔"

اس کے اس قدر پُراعتماد انداز پر سلویٰ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے۔

نادیہ تاسف زدہ لہجے میں بولی۔ "آئی ایم سوری یار۔"

"اٹس اوکے نادیہ! تھینکس اینڈ اللہ حافظ۔" اس کے علاوہ وہ اور کیا کہتی۔

☼ ☼ ☼

اگلے روز ہشاش بشاش غیور' ظفری کے ساتھ کیرم کی بازی جمائے بیٹھا تھا۔ بے فکر اور لاپروا' دونوں میں ایک چیز مشترکہ تھی' ان کی حد سے بڑھی ہوئی غیر ذمہ داری۔ سلویٰ کے جی میں آیا اس کے سامنے تن کر کھڑی ہو جائے اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھے۔

"کیا ریسٹورنٹ میں کسی لڑکی کے ساتھ وہی تھا؟" اور اگر اس نے کہہ دیا۔ "ہاں وہ میں ہی تھا'

تو۔۔۔؟"

تو شاید وہ آج کے بعد کسی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہیں کر پائے گی۔ اس نے غیور پر سے نظریں ہٹائیں۔ کھلی کھڑکی کے دونوں پٹ بند کیے اور وہاں سے ہٹ گئی۔

ظفری کو مات دینے کے بعد باہر نکل کر اس نے بھرپور انگڑائی لی تھی۔ موسم جوبن پر تھا۔ ساون کی بدلیاں آسمان کے فراخ سینے پر اڑتی پھر رہی تھیں۔ ہوا میں پھولوں کی باس شامل تھی۔ اس کی نظر سامنے اٹھی اور ٹھہر سی گئی۔

پھولوں کے کنج کے پاس جھولے پر نیم دراز وہ کسی اور ہی جہاں کی مخلوق لگ رہی تھی۔ اس کا سفید باریک دوپٹا ہوا کے سنگ پھڑپھڑا رہا تھا۔ منظر اتنا مکمل اور بھرپور تھا کہ غیور یہ تک فراموش کر گیا اس وقت وہ کہاں ہے۔ چونکا اس وقت جب اس کے دوپٹے کا پلو اس کی ٹانگوں سے آلپٹا۔ زارا نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں اور پھر جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ دوپٹا کھینچ کر شانوں پر پھیلائے وہ کھڑی ہوئی۔ اسے سامنے والے کی آنکھوں سے خوف اور گھن ایک ساتھ آئی تھی۔

"آپ کو دیکھ کر مجھے ہر دفعہ پرستان سے راستہ بھول کر آنے والی کسی پری کا گمان کیوں ہوتا ہے؟" وہ اس کے راستے میں کھڑا تھا۔

"مجھے فضول باتیں سننے کی عادت نہیں ہے، بہتر ہوگا تم اپنے کام سے کام رکھو۔" غرا کر کہتی وہ پلٹی اور تیزی سے وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

غیور کی مسکراتی آنکھوں نے دیر تک اس کا تعاقب کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"اف امی! کیا بتاؤں مجھ سے چوری چھپے ان ماں بیٹیوں نے تو بالا ہی بالا لبنیٰ کا رشتہ تقریباً طے کر دیا تھا اور مشتاق کو دیکھیں ایسا ماں، بہنوں کا پڑھایا ہوا کہ سب کچھ جانتے ہوئے مجھے کانوں کان خبر تک نہ ہونے دی۔ لیکن ہوا کیا کل لڑکے کی ماں مسمسی شکل بنا کر انکار کر گئی کہ لڑکا راضی نہیں ہے، وہ کہیں اور شادی کرنا چاہتا ہے۔ میرے تو سینے میں ٹھنڈ پڑ گئی۔ دیکھنے والی شکلیں ہو رہی تھیں ان کی۔ مجھے تو مزا آگیا بھئی میں۔"

حمدہ کی آج دنوں بعد آمد ہوئی تھی۔ وہ دھواں دھار شروع ہوئی نبیلہ بیگم ہم تن گوش تھیں۔ لیکن ظفری نے انتہائی تاسف سے سر ہلایا۔

"چچ چچ آپا کتنی بری بات ہے۔ بجائے ۔۔۔ ان کے اس مشکل وقت میں ان سے ہمدردی کرنے کے آپ ان کی روتی شکلیں دیکھ کر مزے لیتی رہیں۔"

حمدہ نے اسے گھورا۔ "چپ کرو تم۔ تمہیں کیا پتا ان ساس نندوں کی چالاکیاں۔"

"پہلے پتا نہیں تھا، لیکن اب چل رہا ہے۔" اس کا اشارہ سمجھ کر اب کی بار ماں بیٹی دونوں نے اسے بری طرح گھورا تھا۔

حمدہ نبیلہ بیگم کی طرف جھکتے قدرے رازداری سے پوچھنے لگی۔ "بہورانی کا سنا ئیں، اپنے دام سے باہر تو نہیں آئی۔"

نبیلہ بیگم نے بے زاری سے ہاتھ ہلایا۔ "اے کہاں، ہمارا جمشید ہی اس کے پیچھے باؤلا ہوا جا رہا تھا۔ ورنہ وہ تو اسے گھاس تک نہیں ڈالتی۔"

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے امی۔" حمدہ پُرجوش سی مزید آگے کھسکی تھی۔

☆ ☆ ☆

زارا کو کسی پل قرار نہیں آرہا تھا۔ اسے اپنے اندر چنگاریاں سی پھوٹتی محسوس ہوئیں۔ اپنی بے خبری اور سامنے والے کی جرأت نے اس کے اندر شرارے سے دوڑا دیے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا سب کچھ تہس نہس کر ڈالے۔ اندرونی خلفشار چہرے پر بھی ظاہر ہو رہا تھا۔ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا جمشید نے اس کے ایک ایک عضو سے پھوٹتی بے قراری کو محسوس کیا۔

"تمہیں کیا بات پریشان کر رہی ہے زارا۔"

وہ چونکی۔ گویا کمرے میں اس کی موجودگی سے بے خبر ہو۔

"اتنی ٹینس کیوں ہو؟ کوئی مسئلہ ہے تو مجھے بتاؤ۔" نرم لہجہ جذبات سے بوجھل ہونے لگا تھا۔

زارا نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں، کچھ نہیں۔"

تکیہ اٹھا کر صوفے پر رکھا اور لیٹ کر دوسری طرف کروٹ بدل لی۔ وہ آج بھی اس کے لیے اتنی ہی اجنبی تھی۔ اور جمشید اس قدر خوش فہم کہ اسے لگا کہ وہ اس سے اپنی پریشانیاں شیئر کرے گی۔ ایک اذیت بھری مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر در آئی تھی۔ وہ تو آج تک اسے یہ حق بھی دینے پر تیار نہیں تھی کہ جمشید اس کی بے اعتنائی کا گلہ لبوں پر لے آتا۔

"کاش کہ کبھی تم مجھ پر اعتبار کر سکو زارا۔" نیلگوں بلب کی مدھم روشنی میں اس کی پشت کو دیکھتے اس نے آزردگی سے سوچا۔

☆ ☆ ☆

آج ثروت پھپھو خاص طور پر غیور اور سلویٰ کی شادی کی بات کرنے آئی تھیں۔ نبیلہ بیگم کو اعتراض تو کوئی نہیں تھا، لیکن وہ شان دار جہیز کے ہمراہ شان و شوکت سے بیٹی کو رخصت کرنا چاہتی تھیں۔

"بس بھابھی بیگم! اکیلے پن کا عذاب اب اور نہیں جھیلا جاتا مجھ سے، بہو آئے گی تو گھر میں رونق آجائے گی۔ اللہ کا دیا سب کچھ تو ہے میرے پاس، مجھے میری بھتیجی کے سوا اور کچھ نہیں چاہیے۔" پھپھو کی عاجزی کا آج عالم ہی اور تھا۔

"تمہاری بات بجا ثروت! لیکن ہم اپنی بیٹی کو خالی ہاتھ تو رخصت نہیں کر سکتے۔ جمشید کی لاڈلی ہے سلویٰ۔ خوب دھوم دھام سے اسے رخصت کرے گا۔"

پھپھو کی باچھیں یہاں سے وہاں تک چر گئیں۔ نور نے چائے پیش کرتی سلویٰ کی طرف دلکش سی مسکراہٹ اچھالی۔ سلویٰ کے لبوں پر بھی دھیمی مسکان ان ٹھہری تھی۔ زارا نے تلخی سے یہ منظر دیکھا اور وہاں سے ہٹ گئی۔ کمرے سے نکلتے جمشید سے اس کی ٹکر بھیڑ ہوتے ہوتے رہ گئی۔ اس کے پہلو سے کترا کر وہ کمرے میں آئی۔

"زارا سنو!" وہ پلٹی اور سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"یہ کچھ پیسے رکھ لو۔" جمشید نے دو قدم کا فاصلہ پاٹ کر نوٹ اس کی طرف بڑھائے۔

"کیوں؟" زارا نے ہاتھ آگے نہیں بڑھایا تھا۔

"ارے کیوں کا کیا مطلب بھئی، انسان کی ہزار ضرورتیں ہوتی ہیں۔"

"میرے پاس ہیں پیسے۔"

"جانتا ہوں، لیکن یہ بھی رکھ لو، کام آئیں گے۔ کیونکہ منہ سے تو تم کبھی مانگو گی نہیں۔"

"مجھے مانگنے کی عادت نہیں ہے۔"

"لیکن اپنا "حق" چھوڑنا کہاں کی دانشمندی ہے؟" زارا محض لمحہ بھر کے لیے ہی اس کی روشن آنکھوں میں دیکھ پائی تھی۔ لو دیتی نگاہیں جو کہانیاں سنا رہی تھیں، زارا وہ سننا نہیں چاہتی تھی۔ وہ دانستہ رخ موڑ گئی۔

جمشید نے نوٹ ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ کر قدم باہر کی جانب بڑھا دیے تھے۔ زارا نے وہ سارے نوٹ اٹھا کر دراز میں رکھ دیے۔ وہ اکثر یوں ہی ڈھیر سارے نوٹ اسے پکڑا دیتا، جنہیں وہ اسی طرح دراز میں ڈال دیتی۔ اس کی بھلا کیا ضرورتیں ہوتی تھیں۔ پھپھو نے سچ کہا تھا اسے عام لڑکیوں کی طرح نہ سجنے کا شوق تھا، نہ سنورنے کا ارمان۔ اس کے جہیز، بری کے کپڑے اتنے تھے کہ وہ اگلے کچھ سال تک ان ہی سے کام چلا لیتی۔

اس نے موبائل اٹھا کر امی کو کال ملائی۔ یہ شان دار سا موبائل بھی شادی کے دوسرے روز جمشید نے اسے دیا تھا۔ وہ بنا کہے بہت غیر محسوس انداز میں اس کی ہر ضرورت پوری کر دیتا۔ لیکن زارا کسی طور اپنے دل کے بند کواڑ کھولنے پر آمادہ نہیں تھی۔

دوسری طرف سے کال مومنہ نے اٹھائی۔ لہجے میں جبری بشاشت پیدا کرتے بھی زارا نے محسوس کر لیا،

اس کا لہجہ پست اور آواز گھٹی گھٹی سی تھی۔ دعا' سلام اور دو چار باتوں کے بعد اس نے فون منیزہ بیگم کو پکڑا دیا تھا۔ ان کا انداز بھی مومنہ کی طرح گھٹا گھٹا سا تھا۔

زارا نے گہری سانس اپنے اندر اتاری۔ یقیناً" مشہود صاحب اور مصطفیٰ گھر پر ہی تھے۔ ان کی موجودگی میں وہ دونوں کھل کر سانس تک نہیں لیتی تھیں کجا کہ کھل کر بات کرنا۔ زارا نے بہت بے دلی سے کال کاٹی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ارے واہ! آپ کی چائے کی یہ خوشبو ہی تو مجھے روز یہاں کھینچ کر لے آتی ہے۔ اپنے لیے تو بناتا ہی رہی ہیں' اگر زحمت نہ ہو تو ایک کپ میرے لیے بھی بنا دیجیے۔"

وہ جو اپنی سوچوں میں گم چائے کپ میں ڈال رہی تھی' پشت سے ابھرتی غیور کی آواز پر اچھل پڑی۔ پھر دل کی دھڑکن کو قابو میں لاتے مڑی اور چبا چبا کر بولی۔

"تمہیں ایسی فرمائشیں مجھ سے نہیں' سلویٰ سے کرنی چاہئیں۔"

غیور ہلکا سا قہقہہ لگا کر ہنس پڑا اور سلیب پر پڑا اس کا چائے کا کپ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔ زارا بری طرح کھول کر رہ گئی۔

اس شخص کی جسارتیں بڑھتی جا رہی تھیں۔

"سلویٰ کی چائے میں آپ جیسا دم کہاں زارا جی۔" اس کے سامنے راہ مسدود دیکھ وہ گویا چائے اور اس کی بے بسی سے ایک ساتھ لطف اٹھا رہا تھا۔ زارا کا بے ساختہ دل چاہا اس کی مکروہ آنکھیں نوچ ڈالے۔ وہ جتنا اسے نظر انداز کرتی وہ اتنا ہی اس کی راہ میں حائل ہو جاتا۔ وہ چاہ کر بھی اس کے بے ہودہ رویے کی شکایت کسی سے نہیں کر سکتی تھی۔ اس سے بھی نہیں جس کے پاس شکایت کرنے کے اس کے تمام حقوق محفوظ تھے۔

"پتا ہے آپ کی باتوں کا میں بالکل بُرا نہیں مانتا۔ مہ جبینوں پر اتنا تحمل تو جچتا ہی ہے۔"

"راستے سے ہٹو۔" درشتی سے کہتی وہ باہر نکل گئی۔

غیور نے اس کی پشت پر لہراتی سنہری چوٹی کو بہت حسرت سے دیکھا تھا' لیکن سامنے سے آتی سلویٰ کو دیکھ کر چہرے کے تاثرات فوراً" بدل لیے۔

"کیا ہوا؟" سلویٰ نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

"سوچ رہا تھا تمہاری بھابھی اتنی بھی روڈ نہیں ہے۔ ابھی انہوں نے اپنے ہاتھوں سے مجھے چائے کا کپ بنا کر پیش کیا ہے' لگتا ہے انہیں اس گھر میں میری حیثیت کا اندازہ ہو گیا ہے۔"

"اچھا؟" سلویٰ کا اچھا بے یقینی لیے ہوئے تھا۔

"اچھا کا کیا مطلب' تمہیں لگتا ہے میں جھوٹ بول رہا ہوں؟" سلویٰ نے گہری سانس کھینچتے کندھے اچکائے اور فریج کھول کر اندر پانی کی بوتلیں رکھنے لگی۔ غیور اسے گھورتے ہوئے زیر لب کچھ بڑبڑاتا باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

حیرت' بے یقینی اور خوشی کا غلبہ اس قدر شدید تھا کہ وہ کچھ بول ہی نہیں پائی۔ محض ٹکر ٹکر منیزہ بیگم کا چہرہ دیکھتی رہی۔ جو اتنی بڑی خبر اسے سنا کر اب اپنا آنسوؤں سے تر چہرہ صاف کر رہی تھیں۔ شادی کے پانچ سال بعد مومنہ امید سے ہوئی تھی۔ گھر کی ویرانیوں میں قدرت نے قلقاریاں گونجنے کا اہتمام کر دیا تھا۔ وہ بے ساختہ ماں سے لپٹ گئی۔ پھر مومنہ کے کمرے کی طرف دوڑ گئی۔ اسے گلے سے لگائے' اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

"آپ سوچ بھی نہیں سکتیں' میں کتنی خوش ہوں آج۔"

لیکن کچھ غیر معمولی تھا' جس نے اسے ٹھٹکا دیا تھا۔ اس نے مومنہ کا ستا چہرہ دیکھا۔

"میں یہ بچہ پیدا نہیں کروں گی۔"

اس کے سر پر گویا چھت آ گری تھی۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مومنہ کو دیکھا۔

کفران نعمت کی یہ کون سی شکل تھی؟ اس نے مومنہ کو بری طرح جھنجھوڑ ڈالا۔ "اس گھر کے مرد کبھی عورت کو اس کا مان' اس کا جائز مقام نہیں دیں گے۔ میں نے اپنی قسمت پر صبر کر لیا ہے' لیکن میں نہیں چاہتی کل کو ایک اور زارا مجسم سوال بن کر میرے سامنے آ کر کھڑی ہو جائے۔ میں اس کے کس کس سوال کا جواب دوں گی؟"

"بھابھی! لازمی تو نہیں ہے بیٹی ہی ہو۔ ہو سکتا ہے بیٹے کی پیدائش مصطفیٰ بھائی کو بدل دے۔"

مومنہ نے سرخ چہرہ لیے لب کچلتے نفی میں سر ہلایا۔ "بیٹا! مصطفیٰ کا خون ہو گا جو ایسے ہی ایک دن کسی اور مومنہ کی زندگی اجیرن کرے گا' اسے خون کے آنسو رُلائے گا۔" اس کی آنکھوں سے اس وقت آنسو نہیں جیسے لہو بہہ نکلا تھا۔

زارا اور وہ ایک ساتھ روئی تھیں۔ اور باہر دہلیز پر کھڑا مصطفیٰ گویا ان ہی قدموں پہ جم سا گیا تھا۔ برسوں بعد کوئی جھکڑ چلا تھا' جس نے یک دم شعور کی نہ جانے کب سے بند ساری کھڑکیاں ایک ایک کر کے کھول دیں۔ ضمیر کے آئینے پر پڑی گرد بہت پرانی تھی' لیکن سامنے روتی ہوئی دونوں عورتوں کے آنسوؤں سے وہ گرد مٹنے لگی تھی۔ چاروں طرف گویا کسی نے آئینے سے لا کر رکھ دیے تھے۔ باپ کے قدم غلط راہ پر پڑے تھے۔ وہ کیوں ان کے نقش پا پر چلتا گیا؟ وہ تو قبل از اسلام زمانۂ جاہلیت کے اصول رکھتے تھے۔ وہ کیوں اس فرسودہ نظام جاہلیت کے مرد کا روپ دھار گیا۔ وہ اتنا برا تھا' اتنا برا بنا رہا کہ اس کے نکاح میں آئی عورت نے آج اللہ کی سب سے بڑی نعمت سے منہ موڑنے کا سوچ لیا تھا؟

وہ مثل قدموں سے اندر آیا تھا۔ دونوں ایک ساتھ چونکیں۔ مارے گھبراہٹ کے کھڑی ہو گئیں اور خوف سے اپنے گیلے رخسار رگڑ ڈالے۔ لیکن یہ وہ مصطفیٰ تو نہیں تھا جسے وہ جانتی تھیں' یہ تو کوئی اور ہی تھا۔ انہیں سینے سے لگائے ان کے سروں کے بوسے لیتا۔ ان دونوں کو بے یقینی بھری مسرت کے حوالے کرتا وہ تیزی سے باہر چلا گیا تھا۔ اسے ان قدموں کا بوسا لینا تھا جس نے انہیں چلنا سکھایا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ بہت ہلکی پھلکی ہو کر گھر لوٹی تھی۔

آسمان پر اڑتی ساون کی بدلیوں نے ایکا کر لیا۔ ایسی گھنگھور گھٹائیں چھائیں کہ چھما چھم مینہ برسنے لگا۔ اس کے کمرے کی کھڑکی پر بوندوں نے دستک دی تو نیند کا پنچھی کہیں دور اڑان بھر گیا۔

وہ سیاہ پٹی چپل پاؤں میں پھنساتی ٹیرس پر آ گئی۔ آسمان سے گرتی شفاف بوندوں نے اس کا تن من بھگو دیا تھا۔ وہ بارش کی دیوانی تھی۔ گرجتے بادل' کڑکتی بجلی اسے بالکل بھی خوف زدہ نہیں کر رہا تھا۔ اس کے لیے بارش کی ان شفاف بوندوں میں خوشی تھی۔ ہر چیز سے بے نیاز وہ دیر تک بھیگتی رہی۔ پھر کمرے میں آ کر کپڑے تبدیل کیے اور بیڈ پر ڈھیر ہو گئی۔

جمشید پچھلے دو دنوں سے کاروباری کام کے سلسلے میں شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ واپسی کے بارے نہ اس نے بتایا تھا' نہ زارا نے پوچھنا ضروری سمجھا۔ اس کی موجودگی میں وہ صوفے پر سوتی' لیکن اب بیڈ پر سوئی اس کی بھیگی پلکیں پھر سے جڑنے لگی تھیں۔ جب وہ نیند کی وادی میں قدم رکھتی' بے خبر ہو گئی' تب بارش کی بوچھاڑ سے خود کو بچانے کی ناکام کوشش کرتا جمشید تقریباً" بھاگتے قدموں سے کمرے میں آیا تھا۔

سامنے ہی وہ کسی خوشنما خواب کی طرح بیڈ پر محو استراحت تھی۔ بمشکل اس پر سے نظریں ہٹاتا وہ چھینک کرنے واش روم چلا گیا۔ اس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔ جسم بخار کی شدت سے تپ رہا تھا۔ چھینک کر کے جلتی آنکھیں مستا بیڈ کی دوسری طرف لیٹ گیا۔ ایک نظر اس کے بے خبر وجود پر ڈالی اور کروٹ دوسری طرف بدل لی۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا انجانے احساس کے تحت اس کی آنکھ کھل گئی۔ اگلے لمحہ اس کا سانس سینے میں اٹک گیا۔ اس کے بے حد قریب جمشید کروٹ

بدلے بے خبر سو رہا تھا۔ اس کا دایاں بازو زارا کے ہاتھ پر دھرا تھا۔ جیسے نیند میں کروٹ بدلی ہو۔ اس کی سانسوں کی تپش سے زارا کو اپنا چہرہ تپتا محسوس ہوا۔

ناقابل فہم احساسات سے دوچار ہوتے ہوئے اس نے جمشید کا بازو ہٹایا اور اٹھ بیٹھی۔ اسی وقت جمشید کی آنکھ کھلی تھی۔ اپنی اتھل پتھل ہوتی دھڑکنوں کو قابو میں لاتی زارا کا سرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر لحہ بھر میں وہ معاملہ سمجھ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ معذرت کا کوئی لفظ بولتا' زارا غصے سے ابل پڑی۔

"آپ نے تو اپنی امانت میں خیانت نہ کرنے کے بڑے بڑے دعوے کیے تھے' تو کہاں گئے آپ کے وہ دعوے؟" جمشید کو وہ کسی بپھری ہوئی موج کی طرح لگی تھی تند اور ناقابل رسائی۔

"آئم سوری زارا... دراصل رات..."

"مت دیں مجھے جھوٹے ایکسکیوز۔ آپ بھی دوسرے مردوں کی طرح ہیں' دغاباز اور فریبی... محض موقع ملنے کی تاک میں تھے۔"

"بس!" جمشید نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روک دیا۔ دو قدم چلتا اس کے بے حد قریب آ ٹھہرا۔ بخار کی حدت سے جسم انگارہ ہو رہا تھا اور آنکھیں لہو رنگ۔ زارا کا بازو دبوچ کر وہ غرایا۔

"میری بے احتیاطی کو تم موقع پرستی کا نام نہیں دے سکتیں۔ بیوی ہو تم میری۔ اگر میں اتنا ہی جذبات کے ہاتھوں بے لگام ہوتا تو موقع تلاش نہ کرتا' خود موقع پیدا کر لیتا۔" جھٹکے سے اس کا بازو چھوڑ کر وہ ہٹ گیا۔

زارا سن سی کھڑی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

ساون ٹوٹ کر برسا اور فضا میں مخصوص حبس چھوڑ گیا۔ در و دیوار پر عجیب سی پژمردگی سی لپٹی محسوس ہوئی۔ جمشید بخار میں بری طرح پھنک رہا تھا۔ ظفری ڈاکٹر کو لے آیا تھا۔ بخار کا زور تو ٹوٹ گیا' لیکن اسے اپنا وجود ٹوٹتا سا محسوس ہو رہا تھا۔ زارا نے دیکھا وہ بیڈ پر بے سدھ پڑا تھا۔ شیو بڑھی ہوئی تھی' چہرہ بخار کی حدت سے سرخ ہو رہا تھا۔ شاید پہلی بار اس نے اسے یوں غور سے دیکھا تھا۔ پھر آہستہ سے دروازہ بند کرتی باہر نکل آئی۔

حمدہ بچوں سمیت آئی ہوئی تھی۔ گھر میں افراتفری کا ماحول تھا۔ کاموں میں لگی زارا کا دھیان بھٹک بھٹک کر اپنے کمرے کی طرف چلا جاتا۔ وہ اپنی اس قدر بے چینی کی وجہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

"امی' جمشید بھائی سو رہے ہیں۔ میں ابھی انہیں دیکھ کے آ رہی ہوں۔" غائب دماغی سے حمدہ کی بات سنتی زارا نے چونک کر سلوی کی طرف دیکھا تھا جو نبیلہ بیگم کو جمشید کے بارے میں بتا رہی تھی۔

"نہ جانے اس نے میڈیسن لی بھی تھی یا نہیں؟ طبیعت زیادہ خراب نہ ہو گئی ہو۔" زارا کی بے چینی تھی کہ حد سے سوا تھی۔ کئی بار اس کا دل چاہا ایک نظر جا کر اسے دیکھ آئے' لیکن ایسی ہر کوشش کے نتیجے میں یا تو نبیلہ بیگم کو کوئی ضروری کام یاد آ جاتا یا پھر حمدہ کسی نئی بات میں الجھا دیتی۔

ایسے ہی وہ بے حد عجیب سا دن ڈھل گیا۔ رات کو جب وہ آخری کام نپٹا کر کمرے میں آئی تو جمشید بازو آنکھوں پر رکھے بیڈ کے وسط میں لیٹا تھا۔ وہ یوں ہی انگلیاں چٹخاتی کچھ سوچ گئی۔ گزشتہ رات جو کچھ ہوا تھا وہ اس کی بھی توقع کے برخلاف تھا۔

وہ جمشید پر چلانا نہیں چاہتی تھی' لیکن خود پر ضبط بھی نہیں رکھ پائی۔ شاید اس کی نظروں کا ارتکاز محسوس کر کے جمشید نے بازو آنکھوں پر سے ہٹایا اور تکیہ اٹھا کر خاموشی سے ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔ یہ اس کی شدید ترین ناراضی کا اظہار تھا اور ایسا پہلی بار ہوا تھا۔

زارا کو لگا بیڈ پر جیسے کانٹے سے اگ آئے ہوں۔ اس نے آنکھیں بند کیں تو لگا چہرے پر اس کی سانسوں کی تپش نے کوئی آگ ہی دہکا دی ہو۔ ہاتھ پر اس کے بھاری مضبوط بازو کا لمس پھر سے زندہ ہو گیا تھا۔ اس کا تنفس تیز ہو گیا' تکیہ ہٹا کر وہ اٹھ بیٹھی۔

ساری رات سو نہیں پائی تھی۔

"زارا..." اگلی صبح وہ معمول کے مطابق کچن میں سب کا ناشتا بنانے میں مصروف تھی' جب نبیلہ بیگم چلی آئیں۔

"جی؟" وہ پلٹی۔

"جمشید کا ناشتا بنا لیا ہے تو ٹرے کمرے میں لے چلو۔ آج میں اپنے بیٹے کو خود ناشتا کروائوں گی۔" پھپھو کی بات پر اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

اگر آج تک سب کو لگتا تھا وہ نارمل میاں' بیوی کی طرح زندگی گزار رہے ہیں تو اس میں بھی سارا کمال جمشید کے اس کے ساتھ روا رکھے جانے والے یک طرفہ نارمل رویے کا تھا' ورنہ بات زارا کی بے اعتنائی کی ہوتی تو اب تک کئی کہانیاں جنم لے چکی ہوتیں۔ لیکن آج اسے بیڈ کے بجائے ڈریسنگ روم میں سویا دیکھ کر پھپھو سب جان جائیں گی۔ کچھ بھی تھا' وہ گھر والوں کی نظروں میں اپنے لیے تمسخر برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

لرزتی ٹانگوں سے ٹرے لیے وہ پھپھو کے ہمراہ کمرے میں آئی تو بے ساختہ اس کے لبوں سے گہری اطمینان بھری سانس خارج ہوئی۔ جمشید فریش ہو کر بیڈ پر ہی نیم دراز تھا۔ زارا کے چہرے پر پھیلتا سکون اس کی نگاہیں سے مخفی نہیں رہا تھا۔

"نہ جانے یہ ہر بار کیسے اس کے دل کا بھید پا لیتا ہے؟" نظریں چراتی ٹرے بیڈ پر رکھ کر وہ باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

غیور اور سلوی کی شادی کی تاریخ دو ہفتے بعد کی طے پا گئی تھی۔ دن تھوڑے تھے اور کام زیادہ۔ گھر میں خوش گوار سی چہل پہل تھی۔ جمشید نے پھر سے شو روم جانا شروع کر دیا تھا۔ اس کے اور زارا کے درمیان کھڑی اجنبیت کی دیوار پر غلط فہمی کی بیلیں کچھ اور پروان چڑھ گئی تھیں۔

غیور نے یہاں آنا بہت کم کر دیا تھا۔ اگر آیا بھی تو کسی بہت ضروری کام سے اور زارا سے لاتعلق اور بے نیاز سا رہتا۔ شاید اسے شادی جیسے مقدس بندھن میں بندھے جانے کے احساس نے شعور بخش دیا تھا۔ کچھ بھی تھا' زارا نے سکون کی سانس لی۔

حمدہ تقریباً" روز ہی آ جاتی۔ بازار کے خوب چکر لگتے۔ واپسی لدے پھندے شاپنگ بیگز کے ہمراہ ہوتی۔ نبیلہ بیگم نے دو ایک بار اسے بھی اپنے ساتھ شاپنگ پر چلنے کے لیے کہا' لیکن وہ "اگلی بار" کا کہہ کر ٹال جاتی۔ لاشعوری طور پر وہ منتظر تھی کہ جمشید اسے پہلے کی طرح پیسے وغیرہ دے کر یا شاپنگ پر لے جانے کا کہے گا۔ لیکن دوسری طرف گمبھیر چپ تھی۔ وہ تو گویا اس کی موجودگی سے بھی لاتعلق ہو گیا تھا۔

جب وہ اس کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو اہمیت دیتا تو وہ بے رخی برتتی اور اب اس کے ذرا سے التفات کے لیے اس کا رواں رواں منتظر تھا۔ وہ اپنے دل کی کیفیت پر خود بھی انگشت بدنداں تھی۔ گھر میں ہوتی رونق' ہنگامہ کچھ بھی اسے متاثر نہیں کر رہا تھا۔ وہ بے کل سی گھر میں زور و شور سے ہوتی تیاریاں دیکھ رہی تھی۔

آج بھی سب شاپنگ کرنے بازار گئی تھیں۔ سلوی بھی ساتھ گئی تھی۔ زارا اکیلی ہی گھر پر رہ گئی۔ ملازمہ چھٹی پر تھی۔ اس نے دوپہر کا کھانا بنا کر بھرپور شاور لیا۔ کاٹن کا سرخ و سبز امتزاج کا سوٹ پہن کر نیٹ کا ہم رنگ دوپٹا کندھے پر ڈالا اور ہلکی سی نمی لیے بالوں کو سمیٹ کر بائیں کندھے پر ڈالتی وہ لاؤنج میں چلی آئی۔ یوں ہی وقت گزاری کے لیے صوفے پر نیم دراز' ورق گردانی کرنے لگی۔ آہستہ آہستہ اس کی پلکیں بوجھل ہوتی جڑنے لگیں۔ میگزین الٹا کر کے سینے پر رکھا اور بے خبر ہو گئی۔

باہر دم گھوٹتے حبس میں کسی درخت کی شاخ پر بیٹھا پرندہ زور سے چیخا تھا۔ صاف آسمان کے سینے پر چیلیں چکرانے لگیں۔ شیطان' شیطانیت پر کمربستہ ہوا۔ چہرے پر کریہہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ زارا کی جھٹکے سے آنکھ کھلی تھی۔ اتنے قریب دوزانو بیٹھے غیور کو دیکھ کر وہ کرنٹ کھا کر اٹھی تھی۔

"تم؟ کیوں آئے ہو یہاں؟"

"اگر ایسے نظارے دیکھنے کو ملیں تو میں روز ہی آیا کروں۔" وہ خباثت سے مسکرایا۔

زارا اس کی ڈھٹائی پر ششدر سی کھڑی تھی۔ "تم میری سوچ سے بھی بڑھ کر گھٹیا ہو۔ تمہیں تو شاید یہ بھی یاد نہیں' ایک ہفتے بعد سلوی سے تمہاری شادی ہونے والی ہے۔"

وہ جو سمجھ رہی تھی شادی میں بندھے جانے کے احساس نے اس کی کایا پلٹ دی ہے تو آج یہ خام خیالی بھی دور ہوئی۔ غیور یوں ہنسا گویا اس کی بات سے بہت لطف اٹھا رہا ہو۔

"شاید تم نے یہ کہاوت نہیں سن رکھی' عورت کی الماری میں نئے سوٹ اور مرد کے دل میں نئی عورت کی جگہ ہمیشہ خالی رہتی ہے۔"

دو قدموں کا فاصلہ اس نے آپ سے "تم" تک آتے پاٹ لیا تھا۔

"اپنی حد میں رہو' ورنہ میں سب کو تمہاری اصلیت بتانے میں اب دو منٹ بھی نہیں لگاؤں گی۔ بلکہ مجھے تو افسوس ہو رہا ہے' یہ گھناؤنا چہرہ سب کو دکھا دینا چاہیے تھا' لیکن دیر اب بھی نہیں ہوئی ہم سلوی تو کیا کسی بھی لڑکی کے قابل نہیں ہو۔"

"خاصی اچھی تقریر کر لیتی ہو۔ آئم رئیلی امپریسڈ۔ لیکن تمہیں کیا لگتا ہے تمہارے کہے پر یہ لوگ یقین کر لیں گے؟" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ چیلنج کرنے والے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

زارا اپنے اندر کے خوف پر بمشکل قابو پائے بظاہر مضبوطی سے اس کے سامنے تنی کھڑی تھی۔

"تم پہلی نظر کی محبت پر یقین رکھتی ہو؟ یقین جانو میرے ساتھ کچھ ایسا ہی معاملہ ہوا ہے۔ مجھے تم سے پہلی ہی نظر میں محبت ہو گئی' لیکن افسوس یہ نظر بہت دیر سے تم پر پڑی۔ ورنہ وہ ہمارا گھونچو جمشید لالہ اس قابل کہاں۔ یہ تو لنگور کے پہلو میں حور والی بات ہو گئی۔ خیر بگڑا تو اب بھی کچھ نہیں ہے' اگر تم میرا ساتھ دو تو میں سب سنبھال لوں گا۔ تمہاری خاطر سلوی تو کیا کسی کو بھی چھوڑ سکتا ہوں۔ کہتے ہیں نا محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔" زارا ایک دم پیچھے ہٹتی دیوار سے جا لگی تھی۔ آگے پیچھے ساری راہیں مسدود۔

"دیکھو میرے منہ مت لگو۔" لرزتے لہجے پر قابو پائے وہ انگلی اٹھا کر بولی۔

"منہ ہی تو لگنا چاہتا ہوں۔" اس کی جسارت بڑھی تھی۔ زارا نے زناٹے دار تھپڑ اس کے چہرے پر دے مارا۔ غیور کو اس کی جرات پر حیرت اور طیش ایک ساتھ آیا۔ فاصلہ کم تھا وہ اس کو دبوچ ہی لیتا کہ دروازے پر کھٹکا ہوا۔

کھلے دروازے کے بیچ و بیچ تصویر کی مانند ساکت سلوی کے ہاتھ سے شاپنگ بیگز چھوٹ کر گر گئے۔ اس کی آنکھوں میں اس قدر دکھ بھری بے یقینی تھی کہ زارا کا دل چاہا بھاگ کر اس کے پاس جائے اور جھنجھوڑتے ہوئے اس کی غلط فہمی دور کرے۔ لیکن قدم ہلنے سے انکاری تھے۔

شاطرانہ مزاج غیور جست لگا کر سلوی کے مقابل جا کھڑا ہوا۔ وہ گھاگ تھا اور عیار بھی' پلک جھپکتے اس نے اس ساری کہانی کا منظر بدل دیا۔ سلوی کی ساکت پلکیں لرزیں اور وہ بنا کچھ کہے الٹے قدم ہٹتی وہاں سے بھاگتی چلی گئی۔

لاؤنج بھرتا جا رہا تھا۔ بھانت بھانت کی بولیاں' الزام تراشیاں' جھوٹ۔۔۔ اس نے ساری بازی اپنے ہاتھ میں کر لی تھی۔ زارا چلا چلا کر سب کو اس کی اصلیت بتانا چاہتی تھی لیکن زبان گنگ تھی۔ یہ سب کچھ اس کی توقع سے زیادہ تھا۔

"لو بھابھی بیگم! دیکھ لیا خوب صورت بہو لانے کا انجام۔ پہلے ہمارے سیدھے سادے جمشید کو پھانس کر اپنا الو سیدھا کیا۔ اب میرے بیٹے پر ڈورے ڈالنے لگ گئی۔ اس معصوم نے تو ڈھکے چھپے لفظوں میں مجھے کئی بار بہو کے کرتوت بتانے چاہے لیکن میں ہر دفعہ گھر کی عزت کا سوچ کر اسے خاموش کرا دیتی۔ یہ کہاں خبر تھی کہ بہو ایک دن یوں اپنے جذبات کے ہاتھوں بے لگام ہو جائے گی۔"

کہانی تو بیٹے نے بُن لی تھی اب اس پر پھندنے ثروت پھپھو نے ٹانک دیے۔

زارا نے شل ہوتے اعصاب کے ساتھ جمشید کو دیکھا۔

ساکت اور حیرت زدہ۔ زارا کو لگا وہ ساری زندگی ان آنکھوں سے آنکھیں نہیں ملا سکے گی۔

سب کچھ نہ کچھ بول رہے تھے۔ ایک وہ ہی چپ تھا۔ گھٹن تھی کہ بڑھتی جا رہی تھی۔ زارا قدم قدم چلتی ساکت کھڑے جمشید کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ اسے لگا اگر وہ آج نہ بولی تو شاید زندگی بھر بولنے کے قابل نہیں رہے گی۔

"یہ سب جھوٹ ہے۔ میرا یقین کریں۔" بہت دقتوں سے وہ محض اتنا ہی بول پائی۔

"ارے یہ کیوں یقین کرے گا تمہارا؟ تم نے منہ کالا کرنے سے پہلے کون سا۔۔۔"

"بس!" جمشید گرجا تھا۔ "چپ کر جائیں آپ لوگ۔" ایک دم سناٹا سا چھایا تھا۔ "جھوٹ یہ شخص بول رہا ہے۔ کھوٹ زارا کے نہیں اس کے دل میں ہے۔" غیور کی طرف انگلی سے اشارہ کرتا وہ سرد ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "مجھے اپنی بیوی کی پاکدامنی پر پورا بھروسا ہے اگر آپ سب تو کیا پوری دنیا بھی آ کر کہے' زارا کی نیت میں فتور ہے تو میں تب بھی یہی کہوں گا میری بیوی پاک باز ہے۔ اس کے دامن پر کوئی دھبہ نہیں۔" وہ بولا نہیں تھا اس نے زارا کے مردہ وجود میں جیسے جان ڈال دی تھی۔

اس کا دل چاہا وہ اس کے قدموں پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔

☆ ☆ ☆

ثروت پھپھو جاتے جاتے بھی بہت کچھ کہہ گئیں۔ "بھابھی بیگم اب تو اپنی آنکھیں کھول لیں آپ۔ جمشید میاں کی آنکھوں پر تو اس کی محبت کی پٹی بندھی ہے جو وہ آنکھوں دیکھی مکھی نگلنے کو بھی تیار ہیں مگر آپ تو کچھ ہوش کے ناخن لیجیے!" نبیلہ بیگم سر دونوں ہاتھوں میں تھامے سوچ میں ڈوب گئیں۔

"ہائے امی! مجھے تو سوچ سوچ کر ٹینشن ہو رہی ہے۔ شادی میں محض چند دن ہی تو رہ گئے ہیں اور اب یہ سارا فساد۔ میں جو بیگ بھر کر بہن کی شادی کا کہہ کر آئی تھی اب اگر خدانخواستہ شادی رک گئی تو کیا منہ لے کر جاؤں گی اپنے سسرال۔ کیسے کیسے طعنے نہ دیں گی وہ مجھے۔" حمدہ کا مارے پریشانی کے برا حال تھا۔

"واہ حمدہ آپی گریٹ! یاد ہے جب آپ کی نند کا رشتہ ٹوٹ گیا تھا تب آپ طنز کر کے ان کی بے بسی کے مزے لیتی رہی تھیں اگر اس مشکل وقت میں آپ ہمدردی کے دو بول بول کر ان کا غم بانٹ لیتیں تو آج آپ کو یہ خدشہ نہ ستاتا کہ آپ کی بہن کا رشتہ ٹوٹنے پر وہ لوگ آپ کی بے بسی کا مذاق اڑائیں گی۔ آپ کو یہ خوف نہ ہوتا کہ آپ کے ہی کہے الفاظ آج وہ آپ کے منہ پر ماریں گی۔"

بظاہر لاپرواہ نظر آنے والا ظفری گہری سنجیدگی سے کہتے تخی سے سر جھٹکتا وہاں سے اٹھ گیا۔

حمدہ ہمیشہ کی طرح نہ تو اسے ڈپٹ سکی اور نہ ہی آنکھیں دکھا سکی۔ جب سچ سامنے آ کر کھڑا ہو جائے تو آنکھیں یوں ہی جھک جایا کرتی ہیں۔ نبیلہ بیگم ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆

گھر میں ویرانی سی اتر آئی تھی۔ نبیلہ بیگم سوچوں میں گم' ابا میاں کے سرد ہنکارے ابھرتے اور پھر جامد خاموشی چھا جاتی۔ سلوی اپنے کمرے میں بند تھی۔ زارا نے اس کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھا اور کچھ سوچ کر اندر آ گئی۔ سلوی آنکھیں موندے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ آہٹ پر اس نے سر اوپر اٹھایا پھر نظریں جھکا لیں۔

"سلوی تم بھی مجھے قصوروار سمجھتی ہو؟ کیا تمہیں بھی لگتا ہے میں گناہ گار ہوں؟" اس کے قریب بیٹھتے ہوئے زارا نے بھرائی آواز میں پوچھا۔ "تمہاری چپ میرے اندر احساس ندامت بڑھا رہی ہے۔ پلیز سلوی

کچھ تو بولو۔"

سلوی نے گہری سانس بھرتے ہوئے سر اوپر اٹھایا تھا اور بہت ٹھہرے لہجے میں بولی۔

"جو تھپڑ آپ نے اس دن اس کے چہرے پر مارا وہ مجھے بہت پہلے ہی اس کے منہ پر مار دینا چاہیے تھا۔"

زارا نے بے ساختہ اسے گلے سے لگالیا۔ "وہ تمہارے قابل نہیں تھا کبھی بھی اس کے چھن جانے پر افسردہ مت ہونا۔" اس کی پیٹھ سہلاتی وہ نم لہجے میں بول رہی تھی۔ سلوی کی پلکیں بھیگتی چلی گئیں۔

زارا بہت ہلکی پھلکی ہو کر باہر نکلی تھی۔ دل پر جو بوجھ پڑا تھا وہ ہٹ گیا تھا۔ جمشید کی تلاش میں وہ طویل راہ داری طے کر کے زینہ چڑھتی بالکونی میں آگئی۔ وہ اس کی جانب پشت کیے کھڑا تھا۔ زارا کو اس سے بہت کچھ کہنا تھا۔ الوہی سی مسکراہٹ نے اس کے سارے چہرے کا احاطہ کر رکھا تھا۔ محبت کی دلفریب خوشبو کہیں بہت قریب سے پھوٹتی دور تک پھیل گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھتی۔ جمشید پلٹا۔

"جو ضروری سامان پیک کرنا ہے کرلو میں تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔" زارا نے ششدر سا ہو کر اس کا چہرہ دیکھا۔ محبت کے خوشنما پرندے نے اپنے پر سمیٹ لیے تھے۔

"آپ مجھے گھر سے جانے کو کہہ رہے ہیں؟"

"ہاں۔" وہ دھڑام سے نیچے آگری تھی۔ ابھی تو وہ ٹھیک طرح سے خوش بھی نہیں ہو پائی تھی۔ کہ لگا کسی نے اس کے دل پر پاؤں سا رکھ دیا ہو۔ اس کی حالت سے بے خبر وہ پیٹھ موڑے کہہ رہا تھا۔

"میں غلط تھا۔ مجھے لگا میری محبت اتنی زور آور ہے کہ ایک دن اس کے آگے تمہاری ضد، جھوٹی انا، نام نہاد نفرت سب ہار جائے گی لیکن میں غلط تھا۔ تم تو آج بھی اسی مقام پر کھڑی ہو۔ شاید میرے جذبوں میں ہی کوئی کمی تھی جو یہ تمہارے دل کے بند کواڑ نہیں کھول پائے بلکہ محبت تو در کنار میں تو تمہاری عزت کی حفاظت بھی نہیں کر سکا۔ میری وجہ سے تمہیں اپنے بارے میں اتنا کچھ غلط سننے کو ملا۔ میں اپنی محبت سے دستبردار نہیں ہو سکتا لیکن تمہیں مزید اپنے ساتھ زبردستی خوار کرنے کا بھی ارادہ نہیں رکھتا۔ تمہاری زندگی میں تمہاری مرضی زیادہ اہم ہونی چاہیے۔"

"بہت خوب جمشید صاحب!" وہ گھوم کر اس کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔ سینے پر بازو باندھے، اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے۔ "آپ کو کیا لگتا ہے میں کوئی کٹھ پتلی ہوں جب آپ کا دل چاہے گا مجھے اپنی زندگی میں شامل کرلیں گے اور جب دل چاہے گا ہاتھ پکڑ کر نکال باہر کریں گے۔ بس یہی تھی آپ کی محبت؟ لیکن لازمی نہیں ہے ہر بار آپ کی ہی منشا پوری ہو۔ میں اس گھر میں اپنی مرضی سے نہیں آئی تھی لیکن اب میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گی۔ کبھی بھی نہیں، سن لیا آپ نے۔" منہ پر ہاتھ رکھے سسکیاں دباتی وہ دھڑا دھڑ زینہ اترتی چلی گئی۔

اب ششدر ہونے کی باری جمشید کی تھی۔

☆ ☆ ☆

ثروت پھپھو کی آمد نے ساکت پانی میں کنکر پھینکے جانے والی ہلچل پیدا کردی تھی۔ اس وقت وہ ابا میاں کے کمرے میں تھیں۔ نبیلہ بیگم، حمدہ، جمشید، ظفری سب وہیں تھے۔ رہ گئی زارا تو اس کی ہمت ہی نہیں ہوئی اندر جانے کی۔

اندر ثروت پھپھو کہہ رہی تھیں۔ "بھائی میاں! جو کچھ ہوا بس اس پر مٹی ڈالیں۔ گھر کی بات گھر میں ہی رہ جائے تو اچھا ہے۔ جب جمشید میاں ہی آنکھوں دیکھی مکھی نگلنے کو تیار ہیں تو ہم تم کون ہوتے ہیں اعتراض کرنے والے۔ کیسی دل کو چیرتی ویرانی ہے۔ لگتا ہی نہیں شادی والا گھر ہے۔ میں آج یہی کہنے آئی ہوں بس آپ لوگ اپنے دل کو سنبھالیں۔ خیر سے میرے بیٹے کی شادی نپٹ جائے پھر آپ جانیں اور آپ کی بہو۔" ثروت پھپھو نے بات مکمل کر کے تائیدی نظروں سے بھائی اور بھابھی کو دیکھا۔

نبیلہ بیگم نے خود کو اتنا بے بس زندگی میں پہلے کبھی

نہیں پایا تھا۔ انہوں نے شوہر کا پُرسوچ چہرہ دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتے نپے تلے قدم اٹھاتی سلوی چلی آئی۔

"ابا! میں یہ شادی نہیں کروں گی۔" بنا کسی کی طرف دیکھے وہ ابا میاں کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔ مؤدب لہجہ، قطعی انداز۔

"ہائے ہائے بیٹا! یہ کیا کہہ رہی ہو؟ کرے کوئی بھرے کوئی۔ تمہیں کاہے کو اعتراض ہونے لگا شادی پر اب۔"

"پھپھو! میں اپنے ابا سے بات کر رہی ہوں۔" سلوی کا انداز نہیں بدلا تھا۔ پھپھو جز بز ہو کر رہ گئیں۔

"بولیں ابا! کیا آپ محض اس خوف سے کہ لوگ کیا کہیں گے مجھے ایسے شخص کے ساتھ رخصت کردیں گے جو بدکردار ہے۔ جس کے دل میں فتور اور نیت میں کھوٹ ہے، جو رشتوں کے تقدس کا بھرم رکھنا نہیں جانتا۔ کیا آپ سب کچھ جانتے بوجھتے محض دنیا کے خوف سے ساری زندگی کے لیے مجھے سولی پر چڑھا دیں گے؟" وہ زانو ہو کر ان کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھے، سر اٹھائے وہ پوچھ رہی تھی۔

"نہیں ہرگز نہیں!" ابا نے ہاتھ اس کے سر پر رکھا تھا وہ ان کے ہاتھوں پر ماتھا ٹکائے رو دی۔

"ہائے بھائی میاں! یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ یہ تو بچی ہے نا سمجھ ہے، اسے کیا پتا عین وقت پر شادی رک جائے تو کیسی کیسی بدنامیاں نہ جھیلنی پڑیں گی۔ آپ ہی کچھ ہوش کے ناخن لیں۔ غیور نے بتایا تو ہے بہو نے اس پر ڈورے ڈالنے چاہے۔"

"پھپھو! آپ کا بیٹا جھوٹ بول رہا ہے اور یہ آپ بھی جانتی ہیں۔" سلوی نے اس انداز میں کہا کہ پھپھو ایک دم چپ رہ گئیں۔ ہاتھ کی پشت سے گیلے رخسار رگڑتی وہ باہر نکل گئی تھی۔ پیچھے بولنے کو کچھ نہیں بچا تھا۔

☆ ☆ ☆

ٹیرس پر کرسی ڈالے، آسمان کی وسعتوں پر نگاہیں جمائے وہ سگریٹ پھونک رہا تھا۔ زارا شاکڈ رہ گئی۔ وہ اسموکنگ کرتا ہے، یہ بات وہ آج جان پائی تھی۔ چند ثانیے اس کی پشت کو تکتی یوں ہی کھڑی رہی پھر آہستہ سے قدم اٹھاتی قریب چلی آئی۔ اتنی بے تکلفی نہیں تھی کہ اس کی کرسی کی پشت تھام لیتی۔ دو قدم کے فاصلے پر وہ رک گئی تھی۔ جمشید نے گردن موڑ کر دیکھا پھر سابقہ انداز میں نظریں سامنے جمادیں۔ زارا نے انگلیاں چٹخائیں۔

"کافی پئیں گے؟"

"میں کافی نہیں پیتا۔" اسے ایک دم ڈھیر ساری شرمندگی ہوئی۔ وہ بھلا کہاں جانتی تھی اس کی پسند ناپسند کے بارے میں۔

"چائے؟" ہمت کر کے پھر پوچھا۔

"طلب نہیں ہے۔" سگریٹ کا ادھ جلا ٹکڑا وہ پیروں تلے مسل رہا تھا۔ زارا مایوس لوٹ آئی۔

اس بار وہ امی کے ہاں آئی تو مومنہ اسے دیکھ کر چونک گئی۔ "تمہاری آنکھیں آج کون سے بھید کھول رہی ہیں زارا؟"

"مجھے جمشید سے محبت ہو گئی ہے بھابھی! بہت شدید قسم کی محبت۔" زبان نے بھید کھول دیا تھا۔

"اور تم اس بات کا اعتراف کسی جرم کی طرح کر رہی ہو۔" مومنہ خوش گوار سا مسکرائی۔

"کیونکہ میں نے سب کچھ کھو دیا ہے۔" مومنہ کی مسکراہٹ سمٹی۔ اور زارا بولتی چلی گئی۔

"انہوں نے مجھے میری نظروں میں معتبر کیا۔ اس وقت وہ ایک قیامت ہی تو تھی، جب سب بیچ چوراہے مجھے سنگسار کر رہے تھے، لیکن ان کے لفظوں نے میرے مردہ تن میں جان ڈال دی۔ جب وہ سب میرے کردار پر انگلی اٹھا رہے تھے تو انہوں نے کہا۔ "میری بیوی پاک دامن ہے، مجھے اس پر بھروسا ہے۔" انہوں نے نہ تو مجھ سے کوئی وضاحت مانگی، نہ کوئی بحث یا دلیل، لیکن ایسا مان، ایسا بھروسا۔۔۔ میں پھر سے جی اٹھی بھابھی! میری ہر خواہش، ہر ضرورت کو وہ بنا کہے پوری کردیتے اور میں آج تک یہ بھی نہیں جان پائی کہ

وہ کافی نہیں' چائے پیتے ہیں۔ وہ کیا چاہتے ہیں' کیا نہیں' مجھے یہ جاننے سے کبھی کوئی سروکار نہیں رہا۔"

"تو اب جان لو' اس میں کیا مشکل ہے؟"

زارا نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔ "آپ کہتی تھیں نا وہ عام مردوں سے بہت مختلف ہیں' آپ سچ کہتی تھیں' لیکن میں نے یہ بات سمجھنے میں بہت دیر کردی۔"

"تم اپنی جھولی میں بے اعتباری' عدم تحفظ اور شاید ناپسندیدگی کے کانٹے لے کر گئی تھیں' لیکن اب جو دل کی بستی میں محبت کی کلی چٹکی ہے' اس کی مہک ہر ناپسندیدہ جذبے پر حاوی ہوجائے گی۔ کچھ نہیں بگڑا زارا۔ بھلا محبت کرنے والے بھی کبھی ہارا کرتے ہیں۔"

زارا پہلی بار مسکرائی تھی۔

☆ ☆ ☆

"پھپھو! آپ کے لیے کھانے کو کچھ لے آؤں؟"

نبیلہ بیگم کو لاؤنج میں سوچوں میں ڈوبا دیکھ کر وہ ان کے پاس چلی آئی۔ سامنے ٹی وی چل رہا تھا' لیکن ان کا دھیان کہیں اور تھا۔ زارا نے انہیں ہمیشہ بارعب آواز میں حکم چلاتے دیکھا تھا۔ لیکن جب سے سلویٰ کا رشتہ ٹوٹا تھا' وہ یوں ہی پہروں چپ چاپ سوچوں میں گم رہتیں۔ عین شادی کے وقت بیٹی کا رشتہ ٹوٹ جانا انہیں گہرے صدمے سے دوچار کر گیا تھا۔

کیسے کیسے سوال نہ اٹھے' خاندان بھر میں چہ مگوئیاں' جتنے منہ' اتنی باتیں۔ یہ تو وہ بھی جانتی تھیں' سچی بات پر پردہ ڈال کر شادی رکنے کے انہوں نے جتنے بھی جواز گھڑے تھے سب بودے اور بے وزن تھے۔ لیکن اس کے علاوہ ان کے پاس اور چارہ ہی کیا تھا۔ جمشید کا اپنی بیوی پر اس قدر بھروسا اور سلویٰ کا پر اعتماد قطعی فیصلہ۔ شاید وہ اپنے فیصلوں میں اپنے بچوں کی طرح شفاف نہیں تھیں۔

چونک کر سامنے کھڑی زارا کو دیکھا جو مؤدب سی پوچھ ہی تھی۔ "آپ کے لیے کھانے کو کچھ لے آؤں؟" انہوں نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا اور پیشانی مسلی۔

زارا پلٹ کر کچن میں چلی گئی۔ چائے بنائی اور بھاپ اڑاتا مگ انہیں پکڑایا۔ خود ریموٹ اٹھا کر دوسرے صوفے پر چینل بدلنے لگی۔ نبیلہ بیگم جن نظروں سے آج اسے دیکھے جارہی تھیں اسے عجیب سا احساس ہوا۔ ایسے تو انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ چائے کا کپ لبوں سے لگاتے نبیلہ بیگم نے سوچا۔

"ہم مائیں بھی کتنی عجیب ہوتی ہیں۔ بیٹیوں کی خوشیوں کے لیے دعائیں مانگتے نہیں تھکتیں اور بیٹوں کی خوشی پر خود ساختہ عدم تحفظ کا شکار ہوجاتی ہیں۔ پرائی بیٹی کے آنے پر اپنے بیٹوں کو کیوں پرایا کردیتی ہیں۔ اور یہ زارا کتنی معصوم اور سادہ دل ہے۔ حمدہ کی الٹی سیدھی باتوں میں آکر میں نے اسے جمشید سے دور رکھنے کے کیا' کیا جتن نہ کیے۔ پرائی بیٹی کے لیے گڑھا کھودتے میں یہ کیوں بھول گئی کہ میری اپنی بیٹیاں بھی تو خدا سے دور نہیں۔"

زارا پر نظریں جمائے وہ مسلسل سوچے گئیں۔

"پھپھو! کیا سر میں زیادہ درد ہے؟" ان کی نظروں سے الجھن محسوس کرکے اس نے ٹی وی آف کرکے ریموٹ رکھ دیا تھا۔

"نہیں بیٹا! چائے پیتے ہی درد کم ہوگیا۔" وہ شاید پہلی بار اس طرح مسکرائی تھیں۔

☆ ☆ ☆

جدید طرز پر بنے اس شان دار سے گھر میں جہاں نعمتوں کی فراوانی تھی' وہیں سلیقے کا شدید فقدان بھی تھا۔ سب اس سوچ کے حامل تھے کہ اگر سب کچھ ملازموں کے سر پر کھڑے ہو کر ہی کروانا ہے تو پھر ملازم رکھنے کا کیا فائدہ' بندہ خود ہی کام کرے۔ یہ ہی وجہ تھی کہ جز وقتی ملازمہ اوپر اوپر سے جھاڑ پونچھ کرکے چلی جاتی۔ کھانا اور روٹیاں وغیرہ پکانے کے لیے جو عورت رکھی گئی تھی وہ بھی مالکوں کی عدم توجہی اور لاپروائی کی وجہ سے اپنی مرضی سے سالن میں مرچ' مسالے

جھونکتی اور روٹیاں تھوپ کر چلی جاتی۔ یہ ہی حال وسیع و عریض لان کا تھا' جس میں خوب صورت پھول' پودوں سے زیادہ جھاڑ جھنکاڑ کی بہتات تھی۔

زارا کا خول چٹخا تو گھر میں پھیلی ابتری کا عالم دیکھ کر کمر کستی خود میدان میں اتر آئی۔ جمشید کی محبت نے اس کے وجود کو معطر کرکے پھولوں کی طرح ہلکا پھلکا کردیا تھا۔ اس نے نہ صرف اس گھر' اس کے مکینوں کو دل سے اپنایا بلکہ ان کا سب کچھ دل سے اپنا بھی لیا۔

جمشید کے کام اپنے ہاتھوں سے کرتے وہ اتنے خوش گوار محسوسات سے دوچار ہوتی کہ اسے وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوتا۔ اس کی توجہ اور سلیقہ مندی کی بدولت گھر میں جو واضح تبدیلی آئی اس نے افراد خانہ کو خوش گوار حیرت سے دوچار کیا تھا۔

پانی کی موٹی دھار سے پودوں کو نہلاتی وہ حیران کھڑے مالی کو دیکھ کر مسکرائی تھی۔ "مجھے کسی نے کہا تھا یہاں کے پھول' پودے میری ذرا سی نظر التفات سے کھل کر جھوم اٹھیں گے اور انہوں نے ٹھیک ہی کہا تھا۔"

پائپ مالی کے ہاتھ میں تھما کر گیلے پائنچے جھٹکتی وہ سیڑھیوں کی جانب سے بڑھ گئی۔ اس بات سے بے خبر کہ باڑھ کے اس پار کرسی ڈالے جمشید نے اس کا لفظ لفظ بخوبی سن لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

نبیلہ بیگم حیرت زدہ سی عمارہ خاتون کو دیکھے گئیں۔ جو رشتے میں ان کی چچیری بہن تھیں۔ برسوں بعد ان کی آمد نبیلہ بیگم کو وہ بھولا بسرا واقعہ یاد دلا گئی۔ جب انہوں نے اپنے بیٹے شہریار کے لیے سلویٰ کا رشتہ مانگا تھا۔ نبیلہ بیگم کو پڑھے لکھے' سنجیدہ' برسرروزگار شہریار کے رشتے سے انکار کرکے حقیقتاً" افسوس ہورہا تھا' لیکن اس وقت وہ سلویٰ کی بات غیور کے ساتھ تقریباً" طے کرچکی تھیں۔ دل کے کسی نہاں خانے میں اس خیال نے بھی چٹکی کاٹی کہ شہریار غیور کے مقابلے میں ہر لحاظ سے بہترین تھا' لیکن وہ اپنے قول سے پھرنے

ماہنامہ کرن

نومبر 2017 کا شمارہ شائع ہوگیا

"کرن کا دسترخوان"

اب ہر ماہ کرن کے ساتھ مفت حاصل کریں

- فنکار "سید علی حسن" سے شاہین رشید کی ملاقات،
- "آواز کی دنیا سے" اس ماہ مہمان ہیں "ایس ایم ایوس انجم"،
- اداکارہ "سونیا مشال" کہتی ہیں "میری بھی سنیے"،
- اس ماہ "آشا خیر" کے "مقابل ہے آئینہ"
- "ہوائیں رخ بدل گئیں" نگہت عبداللہ کے سلسلہ وار ناول کی پہلی قسط،
- "راہِ غزل" تنزیلہ ریاض کے سلسلے وار ناول کی آخری قسط،
- "من مورکھ کی بات نہ مانو" آسیہ مرزا کا سلسلہ وار ناول،
- ریحانہ آفتاب کا مکمل ناول "مجھے جینے کا حق دو"
- "مجبور نشیمن" مصباح علی سید کا مکمل ناول،
- حیا بخاری کا ناولٹ "بہار منتظر ہے"
- "میری پائل چوڑی کھنکے" حمیرا نوشین کا ناولٹ،
- یاسمین نشاط، شبینہ گل، ماریہ یاسر اور مزمل سلیم کے افسانے اور مستقل سلسلے،

والوں میں سے نہیں تھیں۔ ویسے بھی غیور اور سلوئی کا رشتہ انہوں نے اپنی ایما پر طے کیا تھا۔

عمارہ خاتون گو کہ شہر سے باہر رہائش پذیر تھیں، لیکن خاندانی معاملات سے بے خبر نہیں تھیں۔ انہوں نے ایک بار پھر نبیلہ بیگم سے ـــــ شہریار کے لیے سلوی کا ہاتھ مانگا۔ "کیا دل کی کثافتیں دور کرنے سے خدائے مہربان یوں ہی سیدھی، شفاف راہیں نکال کر سامنے رکھ دیتا ہے؟"

ڈبڈبائی آنکھوں سے نبیلہ بیگم کا دل سجدۂ شکر بجالایا تھا۔ "میں جمشید اور اس کے والد سے مشورہ کرکے ہی آپ کو کوئی جواب دے سکوں گی۔"

"ہاں... ہاں کیوں نہیں، ضرور مشورہ کریں، بس یہ دھیان میں رکھیے گا کہ اس بار ہمیں جواب ہاں میں چاہیے۔"

سلوی اور زارا چائے اور دیگر لوازمات کے ساتھ اندر داخل ہوئی تھیں۔ عمارہ خاتون سلوئی پر ایک پیار بھری نظر ڈالتے کہہ رہی تھیں۔ زارا نے چپکے سے مسکراتے ہوئے گرم جوشی سے اس کا ہاتھ دبایا تھا، تو وہ ہولے سے مسکرادی۔

نبیلہ بیگم اپنے فیصلوں میں خود مختار رہی تھیں۔ چھوٹے بڑے کسی بھی معاملے میں انہوں نے شوہر سے مشورہ کرنے یا اجازت طلب کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ انہوں نے اپنے گھر میں باپ، بھائی کو ہمیشہ عورتوں پر حکم چلاتے دیکھا تھا۔ اس خوف سے کہ ان کا مجازی خدا بھی انہیں جوتی کی نوک پر رکھے، وہ خود ان پر حاوی ہوتی چلی گئیں۔ گو کہ دل میں معترف تھیں کہ اقبال احمد ان مردوں میں سے نہیں جو بلاوجہ عورتوں پر حکمرانی جتاتے ہیں، لیکن اب سوچ کے کئی در وا ہو رہے تھے۔

"پھر آپ کیا کہتے ہیں اس بارے میں؟" انہوں نے شاید پہلی بار کسی معاملے میں اقبال صاحب سے رائے مانگی تھی۔ وہ اگر حیران ہوئے بھی تھے تو ظاہر نہیں کیا۔

پہلے پہل نبیلہ بیگم کی عدم توجہی اور ان کی دیکھا دیکھی بچوں کا بھی اپنے باپ کو نظر انداز کرنا انہیں چڑچڑا بنا گیا تھا۔

"جو آپ کو مناسب لگے۔"

"نہیں، آپ باپ ہیں اس کے، آپ کی رائے اتنی ہی اہم ہے جتنی کہ میری، آپ کی رضامندی کے بغیر میں انہیں کوئی حتمی جواب نہیں دوں گی۔" کتنا ہلکا پھلکا محسوس کررہی تھیں وہ اس وقت خود کو، اقبال صاحب مسکرانے لگے۔

☼ ☼ ☼

آگے کے سارے معاملات بہت خوش اسلوبی سے طے ہوتے چلے گئے۔ عمارہ خاتون جلد شادی کی خواہاں تھیں۔ یوں چٹ منگنی پٹ بیاہ والا معاملہ ہوا۔ نبیلہ بیگم نے بھی تقریباً ساری تیاری مکمل کررکھی تھی۔ اس لیے انہوں نے ٹالنا مناسب نہیں سمجھا۔ گھر میں خوشی کے شادیانے گونج اٹھے تھے۔ اس بار کایا پلٹ یہ ہوئی کہ شادی کے سارے فنکشنز میں حمہ کے سسرال والے پیش پیش رہے۔ حمہ خود ہر معاملے میں ان کو آگے کررہی تھی۔ بے جا بغض، عناد اور تعصب کو دل سے نکال دیں تو رشتوں میں خود بخود پُر خلوص سی چاشنی گھل جاتی ہے۔ خوبرو شہریار کے پہلو میں دلہن بنی سلوئی کے چہرے پر پھیلا سکون نبیلہ بیگم کو طمانیت سے دوچار کرگیا تھا۔

ولیمے پر زارا نے گہرے سرخ رنگ کی بھاری کامدار فراک اور چوڑی دار پاجامہ پہن رکھا تھا۔ ڈارک ریڈ لپ اسٹک، دائیں کلائی میں کھنکتی سرخ چوڑیاں، سنہری سلکی بالوں کو سیٹ کرکے بائیں کندھے پر ڈالا اور جھک کر سینڈل کے اسٹریپ بند کرنے لگی۔ وہ پہلی بار یوں دل لگا کر تیار ہو رہی تھی۔

کمرے میں داخل ہوتا جمشید اسے دیکھ کر ٹھٹکا تھا۔ پھر دانستہ نظر انداز کرکے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا ہو کر خود پر پرفیوم اسپرے کرنے لگا۔ زارا سیدھی ہوئی تو خود کو اس کے پہلو میں کھڑے پایا۔ اس کے وجود سے اٹھتی خوشبو جمشید کو اپنے حواسوں پر چھاتی محسوس

ہوئی۔ اس سے پہلے کہ وہ پلٹ جاتا، زارا نے بے ساختہ اسے پکارا۔

"سنیے، اگر زحمت نہ ہو تو پلیز مجھے یہ پہنا دیں گے؟"

ننھے منے ڈائمنڈ والا جگمگاتا بریسلیٹ اس کے سامنے ہتھیلی پر رکھے وہ معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔ جمشید نے بریسلیٹ اٹھایا تو زارا نے کلائی آگے کردی۔

"دیکھیے ذرا دھیان سے پہنائیے گا۔ میرے شوہر نے مجھے دیا تھا، میرے لیے بہت خاص ہے۔"

"جب ہی اتنے عرصے سے دراز میں پھینک رکھا تھا۔" بے ساختہ وہ کہہ گیا۔ زارا نے دل میں شکر کیا، وہ کچھ تو بولا۔

"کچھ خاص چیزیں خاص وقت کے لیے ہی سنبھال کر رکھی جاتی ہیں، ورنہ ان کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں ہوتا۔" جمشید نے اس کے جھکے سر کو دیکھا۔ وہ لب کاٹتے کہہ رہی تھی۔

"اگر کوئی اپنے کیے پر نادم ہو کر معافی مانگنا چاہے تو وہ اپنی شرمندگی کا اظہار کس طرح کرے کہ سامنے والا پورے دل سے اسے معاف کردے۔ کان پکڑ کر، ہاتھ جوڑ کر یا پھر پیروں پر ہاتھ رکھ کر؟ بتائیں جمشید! میں سب کچھ کرنے پر تیار ہوں۔"

"سب ہی کچھ کرنے پر تیار ہو ماسوائے محبت کے دو لفظ بولنے کے، ہے نا؟" وہ نروٹھے پن سے بولا تو زارا نے ایک دم جھکا سر اوپر اٹھایا اور زیر لب دہرایا۔

"محبت؟ آپ محبت کی بات کرتے ہیں۔ آپ کے جس سحر میں، میں مبتلا ہوئی ہوں وہ محبت سے بھی اوپر کی چیز ہے۔" کلائی میں جگمگاتے بریسلیٹ کو نرمی سے چھوتے وہ کہہ رہی تھی۔

"مجھے تو آپ نے اسی دن بے مول خرید لیا تھا، جب سب مجھ پر طرح طرح کے الزامات لگا رہے تھے، لیکن آپ نے میرا اعتبار کیا۔ جانتے ہیں اس وقت میں نے کسی کو صفائی نہیں دی، نہ اپنا یقین دلانے کے لیے قسمیں کھائیں، لیکن جب آپ پر میری نظر پڑی، مجھے لگا دنیا کچھ نہیں، میرے لیے آپ کا بھروسا، آپ کا اعتبار ہی سب کچھ ہے۔ تب مجھے سمجھ میں آیا سب کچھ چھوڑ کر میں اس وقت آپ کے سامنے کیوں آ کھڑی ہوئی تھی۔ مجھے صرف آپ کا اعتبار چاہیے تھا۔"

بوجھل پلکیں جھپک کر وہ آنسو اپنے اندر اتارنے کی سعی کررہی تھی۔ ایک بے صبرا آنسو لڑھک کر گال پر پھسل گیا۔ جمشید نے بہت محبت سے اپنی انگلی کی پور سے وہ چن لیا تھا۔

"مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں... میں آپ سے محبت کرنے لگی ہوں... شدید محبت۔"

"اتنی سی بات کہنے میں اتنا وقت لگا دیا زارا۔" جمشید نے بازو پھیلا کر اسے اپنے حصار میں لے لیا۔

"اچھا سنو۔" گمبھیر لہجے میں وہ اس کے کان کے بہت پاس سرگوشی کررہا تھا۔ زارا کی دھڑکنوں نے قیامت سی مچادی۔

"ٹائم ملے تو ذرا ڈریسنگ روم کی تفصیلی صفائی تو کردینا، قسم سے رات کو مچھر سونے نہیں دیتے۔"

"کیا؟" زارا چلائی۔

"او یار آہستہ! کان کے پردے پھاڑو گی کیا؟ اور اگر صفائی کرنے سے اتنی ہی جان جاتی ہے تو مجھ کمرہ بدر کو اپنے کمرے میں سونے کی اجازت ہی عنایت فرما دو۔" وہ اس کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھتے ہوئے شرارت سے کہہ رہا تھا۔

زارا نے مسکراتے ہوئے سر اس کے سینے پر رکھ دیا۔

☼

سرورق کی شخصیت

ماڈل ---------------- میشاء مغل
میک اپ ---------------- روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافی ---------------- موسیٰ رضا